شیخ الہند

مولانا محمود حسن دیوبندی

ایک سیاسی مطالعہ

مع

سیاسی خطبات و فتاویٰ اور خطوط و پیغامات

تالیف

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

ایک سیاسی مطالعہ

مع

سیاسی خطبات وفتاوی اور خطوط وپیغامات

تالیف

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

یکے از مطبوعات

مجلس یادگارِ شیخ الاسلام

قاری منزل۔ مرار اسٹریٹ۔ پاکستان چوک کراچی 1

سلسلۂ مطبوعات مولانا آزاد صدی ۱۶

جملہ حقوق محفوظ

کتاب : شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی
ایک سیاسی مطالعہ
مولف : ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری
ناشر : مجلس یادگار شیخ الاسلام
قاری منزل۔ مراد اسٹریٹ۔ پاکستان چوک۔ کراچی ۱
طابع : المخزن پرنٹرز۔ پاکستان چوک کراچی ۱
اشاعت : ۱۹۸۸ء
قیمت :

ملنے کا پتا

(۱)
مکتبہ شاہد
۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

(۲)
مکتبہ رشیدیہ
مراد اسٹریٹ۔ پاکستان چوک۔ کراچی ۱

فہرست

پیش لفظ

جماعت ولی اللّٰہی کی دیوبندی شاخ میں مولانا محمود حسن کی شخصیت اپنے علم و تقویٰ، اخلاق و سیرت اور ملّی و قومی اور دینی خدمات میں جامعیت کی ایک عجیب و غریب اور عظیم الشان مثال ہے۔ ملّی و قومی میدان میں حضرت کی بصیرت و دانائی اور رہنمائی پر ملک کے مختلف مکاتبِ فکر نے جس طرح اعتماد و اتفاق کیا تھا اس قسم کی کوئی مثال ملک میں موجود نہیں۔ مرکزی خلافت کمیٹی نے ان کے لیے "شیخ الہندؒ" کا خطاب تجویز کیا تھا اور یہ خطاب ان کے فضائل و محاسن کی جامعیت، بزرگانہ شخصیت اور قائدانہ کردار پر اس طرح چسپاں ہوا کہ نام کا جز بن گیا۔ آج اگر صرف مولانا محمود حسن کہا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ اس سے کون مراد ہے۔ شیخ الہند کا خطاب اُس صاحبِ علم و تقویٰ شخصیت اور برصغیر کے اُس عظیم مدبر اور سیاست دان کا تعین کر دیتا ہے جو اس عہد کی سب سے بڑی دینی و سیاسی شخصیت تھی۔ ان کے نام کے ساتھ "دیوبندی" کا لاحقہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے دیوبندیت کی سطح سے اُن کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی دیوبندیت نے شیخ الہند کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ تھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جس شخص کی عظمت کے تذکرے، جامعیت کے بیان اور دوائر علم و فضل کے احاطے کے لیے الفاظ و بیان مساعدت نہ کریں اور بہتر سے بہترین اسلوب بھی جس کے فضائل و محاسن کی رنگینیوں اور فکر و نظر کی تابانیوں کے سامنے خجل نظر آئے اس کے حالات و سوانح اور سیرت و خدمات کے تعارف میں اب تک ایک پائے کی بایوگرافی سے اردو زبان و ادب کا دامن خالی ہے۔

حضرت شیخ الہند پر اب تک جو کام ہوئے ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے:

۱۔ شیخ الہند ــــــ حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ محدث دیوبندی کے مختصر سوانح و حالات اسیری یہ چوالیس صفحے کا ایک رسالہ ہے جو "سلسلۂ حالاتِ نظربندانِ اسلام نمبر ۳" کے طور پر "صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام، دہلی" نے ۱۹۱۸ء میں دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس پر کسی مصنف کا نام درج نہیں۔ میرے علم کے مطابق حضرت شیخ الہند کے حالات میں یہ پہلا کام ہے جو حضرت کی زندگی میں انجام دیا گیا تھا۔

۲۔ حیاتِ شیخ الہند — از حضرت میاں سید اصغر حسین

حضرت شیخ الہند کی یہ پہلی سوانح عمری ہے جو حضرت کی وفات (۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء) کے چند ماہ بعد (رجب ۱۳۳۹ھ مطابق اپریل مئی ۱۹۲۱ء دہلی) منصۂ شہود پر آگئی تھی۔ فاضل مصنف چوں کہ حضرت کے شاگردِ رشید تھے اور حضرت سے بہت قریبی اور قلبی تعلق رکھتے تھے اور حضرت کے رفقاءِ اسارتِ مالٹا سے بھی قریبی روابط تھے اس لیے حضرت کے حالات میں صحیح ترین واقعات سے انہیں آگاہی تھی اور حضرت شیخ الہند کی مالٹا سے رہائی اور وطن واپس پہنچنے کے فوراً بعد حضرت کے سوانح کی تالیف کا انھوں نے فیصلہ کرلیا تھا اور معلومات جمع کرنی شروع کردی تھیں۔ حضرت کے حادثۂ انتقال نے کتاب کے آخری باب کا سروسامان بھی فراہم کردیا۔ اس طرح ایک صحیح ترین سوانح عمری حضرت شیخ الہند کی وفات کے چند ماہ بعد ہی عالمِ وجود میں آگئی

میرے پیشِ نظر ادارۂ اسلامیات، لاہور کی ۱۹۷۷ء کی اشاعت ہے۔ صفحات ۲۷۱

۳۔ سفرنامۂ شیخ الہند — از مولانا حسین احمد مدنی

یہ سفرنامہ حضرت شیخ الہند کی وطن سے روانگی سے شروع ہوتا ہے اور حجاز پہنچنے، وہاں پیش آمدہ حالات کی تفصیل، حراست میں لیے جاتے اور وہاں سے مصر اور مالٹا تک سیاسی قیدی کی حیثیت سے سفر اور مالٹا کے زمانۂ اسارت کے حالات اور پھر وطن واپسی اور رہائی کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا سید محمد میاں نے "علماءِ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" تالیف کی تو یہ سفرنامہ شائع ہوچکا تھا۔ مولانا نے اپنی تالیف میں اس کے بہ کثرت حوالے دیے ہیں۔

بعض اشاعتی اداروں نے یہ سفرنامہ "سفرنامہ اسیرِ مالٹا"، حیاتِ محمود اور سوانح شیخ الہند کے نام سے بھی شائع کیا ہے۔

میرے پیشِ نظر اسٹار پریس، حوض قاضی۔ دہلی کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ یہ ۱۹۴۷ء سے قبل کا تو ضرور ہے لیکن سالِ اشاعت کا اس سے پتا نہیں چلتا۔ اس کے ۱۴۴ صفحے ہیں۔ دوسرا نسخہ مکتبہ محمودیہ۔ لاہور کا مطبوعہ ہے۔ اس کا سالِ اشاعت ۱۹۷۴ء اور صفحات کی تعداد ۲۱۵

۴۔ علماءِ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے — از مولانا سید محمد میاں

یہ سلسلے کا حصہ اوّل ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کے علما کے تذکرے اور ان کے ملّی اور قومی سیاسی کارناموں پر مشتمل ہے اس کا آغاز دارالعلوم دیوبند کے قیام کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ اس میں بانیانِ دارالعلوم (دیوبند) کے مختصر تذکرے اور تعارف کے بعد امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند

اور آپ کے نامور تلامذہ میں سے مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری، علامہ سید انور شاہ کشمیری اور مولانا سید حسین احمد مدنی کے حالات پر مشتمل ہے۔ مختصراً حافظ محمد احمد، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور مفتی عزیز الرحمٰن کا بیان بھی ہوا ہے لیکن کتاب کا بیشتر حصہ چوں کہ حضرت شیخ الہند کے حالات اور آپ کے مجاہدانہ کارناموں کے تذکرے اور آپ کی انقلابی تحریک کے ارکان کی قومی و ملی سرگرمیوں اور خدمات سیاسی کے تعارف میں ہے۔ اس لیے اوبیات شیخ الہند میں اس کتاب کا تذکرہ ناگزیر ٹھہرا۔

میرے پیشِ نظر اس کا وہی پہلا ایڈیشن ہے جو کتب خانہ فخریہ۔ مراد آباد نے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے صفحات ۳۰۴ ہیں۔

۵۔ نقشِ حیات — از شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی

حضرت مدنی، حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید، رفیق مخلص، نہایت قابلِ اعتماد رکن جماعت، شریکِ اسارتِ مالٹا اور ہم راز و دم ساز تھے۔ سفر نامۂ شیخ الہند کے علاوہ آپ نے نقشِ حیات کے دونوں حصوں میں حضرت کا بہ کثرت ذکر فرمایا ہے اور حجاز میں حضرت شیخ الہند کی گرفتاری اور مالٹا میں زمانۂ اسارت کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خود نوشت سوانح (نقش حیات) حضرت شیخ الہند کے مطالعے میں مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۳ء میں ہندوستان سے شائع ہوتی تھی۔ پاکستان میں بھی اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ میرے پیشِ نظر اس کا وہ ایڈیشن ہے جو کراچی سے فرزند توحید صاحب نے شائع کیا تھا۔ اس سے تاریخ و سالِ اشاعت کا پتا نہیں چلتا۔ صفحات کی تعداد ۷۰۳ ہے۔

۶۔ تحریک ریشمی رومال — از مولانا سید حسین احمد مدنی، مرتب مولوی عبد الرحمٰن

حضرت مدنیؒ کی خود نوشت "نقش حیات" اور آپ کی تصنیف سفر نامۂ شیخ الہند کی تحریروں سے مرتب شدہ تاریخ تحریکِ ریشمی رومال۔ ۱۹۶۰ء میں کلاسیک۔ لاہور نے شائع کی تھی۔ زیرِ نظر ایڈیشن اس کا پہلا ایڈیشن ہے اور ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے

۷۔ تذکرۂ شیخ الہند — از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

تذکرے کے صفحہ اوّل پر یہ تعارفی سطر بھی ہے

"ایک انقلابی مردِ مومن کی داستانِ حیات"

فاضل مصنف نے یہ تذکرہ اس وقت لکھا جب کئی بنیادی اور اہم چیزیں شائع ہو چکی تھیں۔ انھوں نے متنی اور ثانوی مآخذ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے تذکرے میں مضامین کی ترتیب و تدوین

میں ایک علمی انداز پایا جاتا ہے۔ چوں کہ فاضل مصنف بھی اس دائرہ علم وفکر سے وابستہ اور مرکزِ علمی و معہد تعلیمی دیوبند کے تربیت یافتہ تھے اس لیے واقعات کی صحت کا اہتمام بھی ان کے ہاں موجود ہے۔

یہ عام کتابی سائز کے ۳۶۵ صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۹۶۵ء میں مدنی دارالتالیف۔ بجنور (یوپی) سے شائع ہوا تھا۔

۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن (حیات اور علمی کارنامے) از ڈاکٹر اقبال حسن خاں

یہ ڈاکٹر اقبال حسن کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے جو انھوں نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی نگرانی میں لکھا تھا اور جس پر انھیں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی تھی۔

یونی ورسٹیوں میں تحقیق کے جو کام انجام پاتے ہیں، وہ ایک خاص دائرے میں اور خاص انداز سے اپنے اختتام کو پہنچتے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ الہند پر یہ مقالہ چوں کہ شعبۂ اسلامیات میں لکھا گیا تھا اس لیے علمی کارناموں میں خاص طور پر دینی علمی کام موضوع بننا چاہیے تھے۔ اگر یہی مقالہ شعبہ سیاسیات میں لکھا جاتا تو حیات کے ساتھ سیاسی کارنامے موضوعِ تحقیق بنتے۔ اگر پہلے مقالے میں سیاسی کارنامے اور دوسرے مقالے میں دینی خدمات کا سرسری تذکرہ بھی کیا جاتے تو یہ مقالے کا نقص نہیں سمجھا جاتے گا۔

"شیخ الہند مولانا محمود حسن (حیات اور علمی کارنامے)" میں دینی علمی کارناموں کا تذکرہ سیاسی اور علمی کارناموں تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس لیے یہ کام ایک محدود اور خاص دائرے کا نہیں رہا۔ بلکہ دینی اور سیاسی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ کتاب کو مندرجہ ذیل چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) پس منظر ——— ۱۸۵۷ء سے قبل سے دارالعلوم دیوبند کے قیام تک

(۲) خاندان اور حالات زندگی (۳) علمی کارنامے (۴) اصلاحی کارنامے

(۵) سیاسی زندگی (۶) ہندوستان میں سیاسی رہبری

اس کے ساتھ ممتاز تلامذہ، خلفاء و مجازین اور مکاتیب پر مشتمل تین ضمیمے بھی شامل ہیں۔

یہ کتاب منشورات دینیات فیکلٹی کے سلسلہ مطبوعات، میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ صفحات ۴۴۵

۹۔ تحریک شیخ الہند از مولانا سید محمد میاں

حضرت شیخ الہند کی سیاسی رہنمائی کا سلسلہ ملک کی آزادی، ترکی خلافت کی امداد، افغانستان کے استقلال اور خلافت اور ترک موالات کی تحریکات تک دراز ہے۔ لیکن اس کتاب میں ملک کی

آزادی کے صرف ایک منصوبے کی تفصیلات اور اس سے متعلق انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں محفوظ ریکارڈ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ملک کی آزادی کا یہ انقلابی منصوبہ تحریکِ ریشمی رومال یا ریشمی خطوط سازش کیس کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں تحریک شیخ الہندؒ سے حضرت کی پوری سیاسی تحریک نہیں، بلکہ صرف تحریکِ ریشمی رومال کا منصوبہ مراد ہے۔

یہ تمام ریکارڈ مولانا سید محمد میاں نے مرتب کیا ہے۔ اس پر آٹھ اضافی صفحات میں مولانا سید اسعد مدنی کے قلم سے پیش لفظ اور ایک سو بارہ (۱۱۲) صفحوں میں مرتب کے قلم سے حضرت شیخ الہند کی پوری سیاسی تحریک کا تعارف ہے اور ریشمی رومال والی تحریک کے بارے میں ضروری معلومات، بعض اہم پہلوؤں سے متعلق تفصیلات اور پیش نظر سرکاری ریکارڈ کے بعض مندرجات کے بارے میں ضروری توضیحات اور بعض اغلاط کی تصحیح ہے۔

یہ کتاب پہلی بار الجمعیت بک ڈپو۔ دہلی سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے صفحات ۸+۲۸۴+۱۰۰ ہیں۔ اسی سال اس کا ایک ایڈیشن پاکستان میں مکتبہ رشیدیہ۔ لاہور نے شائع کیا۔ صفحات ۴۸۶۔ ۱۹۷۸ء میں اس کا دوسرا پاکستانی ایڈیشن مکتبہ محمودیہ۔ لاہور سے شائع ہوا تھا۔ صفحات ۴۹۴

۱۰۔ اسیرانِ مالٹا ... از مولانا سید محمد میاں

اسیرانِ مالٹا ـــ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقاءِ اسارتِ مالٹا: مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، مولانا سید وحید احمد مدنی، اور مولانا حکیم سید نصرت حسین کے حالات، خصائص سیرت اور مصائبِ قید و بند کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ درحقیقت پوری کتاب حضرت شیخ الہند کے حالات، آپ کی سیاسی تحریک و خدمات اور آپ کے رفقاء سفر کی جو آپ ہی کی تحریک سیاسی کے مختلف ابواب یا آپ کے نظامِ شمسی کے سیارے ہیں، عدیم المثال وفاداری اور اخلاص و ایثار اور عزیمت و استقامت کی ایک فکر انگیز و انقلاب پرور داستان ہے۔

یہ کتاب ۳۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور الجمعیت بک ڈپو۔ دہلی سے اگست ۱۹۷۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔

۱۱۔ مقامِ محمود ... مرتب مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

مقامِ محمود جنوری ۱۹۸۶ء میں ہونے والے شیخ الہند سیمینار (دہلی) کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ کسی ایک صاحب علم و فضل کے ذوقِ تحقیق و تصنیف کا کارنامہ نہیں، بلکہ ہندوستان اور پاکستان

کے مختلف اصحابِ علم و فکر کے افکار و تاثرات اور تحقیقات کا مجموعہ ہے۔ اور جیسا کہ عام طور پر سیمناروں میں پڑھے جانے والے مقالے بلند و پست ہر سطح کے ہوتے ہیں۔ اس میں بھی ذاتی تاثرات سے لے کر نہایت بلند پایہ تحقیقی کاوشیں تک شامل ہیں۔

مقالہ نگاروں میں فاضل مرتّب، مقامِ محمود اور خاکسار راقمِ ایں سطور کے علاوہ؛

۱۔ پاکستان سے مولانا مفتی ولی حسن، مفتی احمد الرحمن، ڈاکٹر احمد حسین کمال، مولانا محمد یٰسین خان پوری، سید عبد المجید ندیم، مولانا حافظ حسین احمد بلوچستانی، مولانا محمد عبداللہ (بھکر)، مولانا فضل الرحمن، مولانا محمد ایوب بنوری، مولانا عزیز احمن، حکیم محمد عبد الواحد، قاری محمد اسد اللہ عباسی، قاری محمد حنیف جالندھری اور

۲۔ ہندوستان سے مولانا نسیم احمد فریدی، مولانا جمیل احمد قاسمی پرتاب گڑھی، مولانا محمد ظفر الدین مولانا صادق علی قاسمی، مولانا عبد الحفیظ رحمانی، مولانا صدر الدین انصاری بھوپالی، مولانا سعید احمد پالن پوری، ڈاکٹر رشید الوحیدی، مولانا اسیر ادروی، مولوی محمد سلمان منصور پوری، ڈاکٹر شمس الرحمن محسنی، مولانا افضال الحق جوہر قاسمی، مولانا شمس تبریز خاں شامل ہیں۔

اس مجموعۂ مقالات کی اشاعت جمعیت علماء ہند کے شعبۂ نشر و اشاعت کی جانب سے سیمنار کے انعقاد کے تقریباً ایک سال بعد ۱۹۸۷ء میں عمل میں آئی تھی۔ صفحات ۴۱۶

۱۲۔ مختصر سوانح عمری حضرت شیخ الہند

اس کتاب کا صرف اشتہار نظر سے گزرا ہے۔ تحقیق نہیں ہو سکی کہ یہ بھی "سفرنامۂ شیخ الہند" کی کوئی اشاعت ہے یا انجمن نظر بندان اسلام کے مطبوعہ کتابچے کا قدیم یا جدید کوئی ایڈیشن ہے یا الگ اور مستقل کوئی کتاب؟

ان بنیادی اور مستقل کاموں کے علاوہ متفرق مقالات ہیں جو علماء و مشاہیر کے بعض تذکروں اور تاریخوں میں شامل ہیں یا اخبارات و رسائل کی زینت ہیں۔ یہ بھی ایک علمی خدمت شمار کی جائے گی کہ ایسے تمام مضامین و مقالات فراہم کر کے اور ترتیب دے کر شائع کر دیے جائیں۔

○

یہ تمام کام اپنی اپنی اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک کام دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتا۔ کسی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کتابیں الگ الگ حضرت شیخ الہند کی شخصیت کی مختلف شانیں اور فضائل و کمالات کی مختلف جھلکیاں پیش کرتی ہیں۔ ان سب کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے

کہ ہم ایک عظیم شخصیت کے مطالعے سے لطف اندوز اور ایک جامع صفات اور جامع جہات شخصیت سے روشناس ہوتے ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کتاب کے مطالعے سے حضرت کی جامعیت اور عظمت کا واقعی اندازہ نہیں ہوتا اور یہ سب کتابیں کسی صاحب ذوق کو میسر نہ آئیں تو نقشِ عظمت و جمال اسی قدر ناتمام رہتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر خیال ہوتا ہے کہ آج کے دور کے علم و تحقیق اور معیارِ تصنیف و تالیف کے مطابق ایک جامع سوانح و سیرت کی ضرورت باقی ہے۔ اور یہ ضرورت چوں کہ کسی خانوادۂ علم یا محض کسی مکتبۂ فکر کی تشہیر اور تزئین و جمال آرائی کی نہیں بلکہ اس عہد کی تاریخ مذہب و سیاست اور قوم و ملک کی تربیت و رہنمائی اور ملت کی تعلیم و تہذیب کی ضرورتوں کا تقاضا ہے۔ اس لیے کسی صاحبِ عزم و ہمت اہل قلم کو اس جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر خیال ہو کہ موجودہ دور میں کوئی ایک صاحبِ قلم کئی سال تک اپنے وقت و مال کا ایثار نہ کر سکے گا اور یکساں توجہ و انہماک کے ساتھ کام جاری رکھنا ممکن نہ ہو گا تو کوئی مرکزِ علمی حیاتِ شیخ الہند کا ایک جامع منصوبہ بنا کر پاک و ہند کی کئی علمی شخصیات میں ان کے ذوق کے مطابق اس کے ابواب علم و عمل تقسیم کر دے اور ضرورت کے مطابق اس کا مواد اور دوسرے وسائل مہیا کر دے اور ایک مقررہ مدت کے اندر منصوبے کی تکمیل کی سعی کی جائے۔ اس پر نظرِ ثانی کا کام ایک بورڈ آف ایڈیٹرز انجام دے۔

آج کے دور میں تمام بڑے علمی منصوبے اسی طرح تکمیل پاتے ہیں اور چوں کہ شیخ الہند اکادمی دیوبند کی صورت میں ایک علمی ادارہ پہلے سے موجود ہے، اس لیے سب سے پہلے اسی کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

حضرت شیخ الہند کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں اور حضرت نے ہر پہلو سے علمی و عملی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان سب پہلوؤں سے حضرت کے شایانِ شان تو درکنار ابھی تک حضرت کے ترجمۂ قرآن کے شکریے کا حق بھی مسلمان ادا نہیں کر سکے۔ مسلمانوں پر عام طور پر اور اصحاب دیوبند پر خاص طور پر اور ان میں اہل قلم پر یہ فرض باقی ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت شیخ الہند کے سلسلے میں رفتہ رفتہ کسی تنظیم و تحریک کے بغیر بھی بہت سا مفید علمی کام انجام پا چکا ہے لیکن کیفیت و کمیت ہر دو لحاظ سے حضرت کی جامع شخصیت کے شایانِ شان کام کی ابھی ضرورت بھی ہے اور گنجائش بھی۔ اہلِ علم کو خصوصاً سلسلۂ عالیہ دیوبند اور شیخ الہند اکادمی کے بزرگوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔

○

یہاں تک پہنچنے کے بعد نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت کے افادات و نوادر کی تالیف و تدوین

کے کاموں پر بھی نظر ڈال لی جاتے۔ چوں کہ غیر سیاسی چیزیں خاکسار کے مقصد تحریر سے خارج ہیں اس لیے ان پر نقد و بحث سے صرفِ نظر کرتے ہوتے صرف ان کی فہرست مرتب کر دی جاتی ہے۔

الف۔ تصانیف:

۱۔ ادلہ کاملہ/اظہار الحق

حضرت امام ابو حنیفہ کے فقہی مسائل پر مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسینؒ بٹالوی کے دس اعتراضات کے جواب میں یہ رسالہ ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس کی ضمانت بڑی تقطیع کے ۳۴ صفحات بیان کی گئی ہے۔

۲۔ ایضاح الادلہ

ادلہ کاملہ کے جواب میں مولوی محمد احسن کی تصنیف "مصباح الادلہ لدفع الاذلہ" کے جواب میں حضرت شیخ الہند نے "ایضاح الادلہ" کے نام سے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کا سالِ اشاعت ۱۲۹۴ھ اور صفحات کی تعداد بڑی تقطیع پر ۳۹۶ بتائی گئی ہے۔

۳۔ احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ

گاؤں میں دو مسلمانوں کی موجودگی میں بھی نماز جمعہ کے جواز میں ایک اہل حدیث عالم کے رسالے کے جواب میں حضرت شیخ الہند نے یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ نے اسے شائع کیا تھا۔ چوں کہ مولانا یحییٰ کا کتب خانہ دینیہ گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں تھا۔ اس لیے یقین ہے کہ مقامِ اشاعت گنگوہ ہوگا۔

۴۔ التبلیغ الیٰ مفاسد التجمیع

احسن القریٰ کے رد میں کسی اہل حدیث عالم کے رسالے کے جواب میں۔ بعد میں یہ مختصر رسالہ احسن القریٰ کے آخر میں بہ طورِ ضمیمہ شامل کر دیا گیا۔

۵۔ الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل

امکانِ کذب کے مسئلے میں مولوی احسن پنجابی (کانپوری) کے رسالے کے جواب میں۔ مولانا محمد یحییٰ کے اہتمام سے مطبع بلالی (ساڈھورا ضلع انبالہ) میں طبع ہو کر شائع ہوتی۔ بڑی تقطیع اور ۱۰۸ صفحات کی صراحت کی گئی ہے۔

۶۔ مقدمہ ترجمۂ قرآن شریف

یہ مقدمہ درحقیقت حضرت شاہ عبد القادر کے ترجمۂ قرآن شریف پر ہے۔ اس میں حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمے کے اصول بھی قلم بند فرما دیے ہیں۔ صفحات ۳۱

۷۔ الابواب والتراجم

بخاری شریف کے ابواب کی علمی ومعنوی اہمیت مع فہرست الواب بخاری۔ مالٹا میں بہ زمانہ اسارت تصنیف فرمائی مولانا عزیر گل کی مساعی اور تصحیح واہتمام سے شائع ہوئی۔ یہ تحریر تمام ابواب بخاری پر محیط نہیں تھی۔ اس کی تکمیل مولانا سید حسین احمد مدنی نے فرمائی۔ اردو میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ بڑی تقطیع کے ۶۴ یا ۷۲ صفحات بیان کیے گئے ہیں۔

ب۔ خطبات وتقاریر:

۱۔ خطبۂ صدارت

جمعیت علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی بتاریخ ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں پڑھا جانے والا خطبہ۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی امرتسر کی فرمائش پر روز بازار الیکٹرک پریس۔ امرتسر سے شائع ہوا۔

۲۔ جمعیت علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس کی منظور شدہ تجاویز اور حضرت شیخ الہند صدر جمعیت علماء ہند کی اختتامی تقریر ناظم جمعیت علماء ہند نے ۱۹۲۰ء میں حمیدیہ پریس۔ دہلی سے شائع کی۔ صفحات ۸

۳۔ خطبات شیخ الہند

خطبۂ صدارت سالانہ اجلاس جمعیت علماء ہند (دہلی۔ نومبر ۱۹۲۰ء) اور خطبۂ صدارت جو نیشنل یونی ورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کے افتتاح کے موقع پر پڑھا گیا (علی گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء) کا مجموعہ۔ شیخ الہند سوسائٹی کبیروالا (پنجاب) نے شائع کیا۔ سال اشاعت ۱۹۸۷ء۔ صفحات ۹۶

۴۔ خطبۂ صدارت اور فتویٰ ترک موالات

خطبۂ افتتاح نیشنل یونی ورسٹی۔ علی گڑھ اور فتویٰ ترک موالات جو مسلم یونی ورسٹی کے طلبہ کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے زیر اہتمام مطبع قاسمی۔ دیوبند میں چھپا اور کتب خانہ مطبع قاسمی سے شائع کیا۔ سال اشاعت ۱۹۲۱ء۔ صفحات ۱۲۔

۵۔ مقالات شیخ الہند / افادات محمودیہ

"وحی اور اس کی عظمت" اور "لاایمان لمن لاامانۃ لہ" کے عنوان سے حضرت کے دو مقالوں کا مجموعہ۔ کوہ نور پریس۔ دہلی سے چھپوا کر مکتبہ مجلس قاسم المعارف۔ دیوبند (یوپی) نے شائع کیا۔ ڈاکٹر اقبال حسن خاں کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں حضرت شیخ الہند کی تقریریں ہیں جو اولاً القاسم۔ دیوبند میں شائع ہوئی تھیں۔ اس کا سال اشاعت ۔۔ اور صفحات کی تعداد ۸۸ ہے۔ یہ دونوں

تقریریں "افاداتِ محمودیہ" کے نام سے بھی شائع ہو چکی ہیں۔

ج۔ تقاریر درس حدیث:

۱۔ النور الساری علی صحیح البخاری

یہ حضرت کے بخاری کے درس کی تقریر ہے جو آپ کے ایک فاضل شاگرد مولانا اشتاق احمد پنجابی نے قلم بند کی تھی اور ۱۳۸۲ھ میں چھاپ دی تھی۔

مولانا حبیب الرحمن قاسمی کی روایت کے مطابق حضرت شیخ الہند کی ایک تقریر بخاری کتب خانہ مجتبائی۔ دہلی کے مالک مولانا عبدالاحد کے پاس بھی تھی۔ یہ تقریر ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔

۲۔ تقریر ترمذی (عربی)

ترمذی شریف کے درس کی تقریر جسے مولانا سید اصغر حسین نے قلم بند کیا تھا۔ اولاً ترمذی شریف کے ساتھ چھپتی رہی۔ بعد میں اسے الگ کتابی شکل میں بھی چھاپ دیا گیا۔ بعض بیانات سے خیال ہوتا ہے کہ یہ کئی تقاریر ہیں۔ بڑی تقطیع پر تقریباً ۵ صفحات

۳۔ الورد الشذی علی جامع الترمذی

ترمذی شریف پر آپ کی درسی تقریر کا اردو ترجمہ۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۵۰ء میں کتب خانہ اصغریہ نے پہلی بار شائع کیا۔ صفحات ۱۹۲

د۔ تصحیح و تحشیہ و ترجمہ:

۱۔ تصحیح ابی داؤد

سننِ ابی داؤد کا جو نسخہ درس کے دوران میں حضرت کے سامنے رہتا تھا، اس میں حضرت کتابت اور دیگر قسم کی اغلاط کی تصحیح فرما دیتے تھے۔ بعد میں مولانا عبدالاحد نے یہ نسخہ حاصل کر لیا اور حضرت کی تصحیحات کے مطابق اپنے مطبع مجتبائی۔ دہلی سے اسے چھاپ دیا۔ اس کا سالِ اشاعت ۱۳۱۸ھ ہے۔

۲۔ حاشیہ مختصر معانی

درسی کتابِ مختصر معانی پر حضرت نے حاشیہ تحریر فرمایا تھا جو مطبع مجتبائی۔ دہلی سے ۱۳۴۴ھ میں کتاب کے ساتھ چھاپ کر شائع کر دیا گیا۔

۳۔ ترجمۂ قرآن مجید و حواشی

حضرت شیخ الہند نے قرآن حکیم کے ترجمے کا کام ۱۳۲۷ھ میں دیوبند میں شروع فرما دیا تھا۔ اس کی تکمیل ۱۳۳۶ھ میں اسارتِ مالٹا کے زمانے میں ہوئی۔ حواشی کا کام سورۂ نساء تک پہنچا تھا کہ حضرت کو ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔ ہندوستان پہنچ کر حضرت خرابیٔ صحت اور سیاسی معروفیات

کی وجہ سے مکمل نہ فرما سکے اور پھر آپ کے حادثہ انتقال نے امید کی شمع کو بھی بجھا دیا۔ حواشی کی تکمیل حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ناصیۂ مبارک ہی میں لکھی تھی۔

ترجمۂ قرآن کا پہلا ایڈیشن ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا۔ حواشی کی تکمیل کے خیال سے سورۂ نساء کے بعد شاہ عبد القادر کے حواشی "موضح قرآن" شامل کر دیے گئے تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں مولانا شبیر احمد عثمانی سے حواشی لکھوا کر شامل کیے گئے۔

ھ۔ <u>خطوط</u>:

مکتوباتِ شیخ الہند مرتبہ حضرت میاں سید اصغر حسین

یہ حضرت کے آٹھ خطوط کا مجموعہ ہے۔ اصل نسخہ خاکسار کی نظر سے نہیں گزرا۔ میاں صاحب کی تصنیفِ لطیف "حیاتِ شیخ الہند" کے لاہور ایڈیشن کے آخر میں شامل ہے۔

و۔ <u>شاعری</u>:

کلیات شیخ الہند مرتبہ حضرت میاں سید اصغر حسین

یہ حضرت کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے جو میاں صاحب نے "حیات شیخ الہند" کی تالیف کے زمانے میں مرتب کیا تھا اور ۱۳۴۰ھ میں چھپ بھی گیا تھا۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں مکتبۂ محمودیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۲۶

ایک بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت کی بعض منظومات رسائل میں اشاعت پذیر ہونے کے علاوہ الگ الگ کتابچوں کی صورت میں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس قسم کا ایک کتابچہ "مرثیہ" کے عنوان سے خاکسار کے پیش نظر ہے۔ یہ مرثیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی وفات پر حضرت نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا محمد یحییٰ تاجر کتب دینیہ گنگوہ (ضلع سہارنپور) نے مطبع بلالی ساڈھورا (ضلع انبالہ) میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ صفحات ۳۵

حضرت کے افادات و نگارشات میں سے جن چیزوں کا ذکر الف، ج اور د کے ذیل میں آیا ہے ان میں سے بیشتر خاکسار کی نظر سے نہیں گزریں۔ چونکہ یہاں صرف تکمیل بحث کے لیے ان کا سرسری ذکر مقصود تھا اس لیے ان کے حصول کی سعی بھی نہیں کی۔

اب ایک طالب علم اور حضرت کا ادنیٰ عقیدت کیش "ادبیاتِ شیخ الہند" میں اپنی حقیر کاوش کی شمولیت کا آرزومند ہے۔

چوں کہ یہ حقیر کاوش آپ کے سامنے ہے، اس لیے اس کی تصنیفی اور علمی حیثیت کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کام کی نوعیت پر نظر رہنی چاہیے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر حضرت کے ایسے خطبات، فتاویٰ اور خطوط کا مجموعہ ہے، جن کی حیثیت سیاسی تھی۔ صرف خطوط کے جمع و تدوین کے دائرے کو وسعت دے دی گئی ہے۔ اس لیے کہ حضرت کے تمام خطوط کی تعداد بھی ڈھائی درجن تک نہیں پہنچتی۔ اگر ان میں سے چند غیر سیاسی اور ذاتی قسم کے خطوط کو ترک کر دیا جاتا تو شاید ان کی تدوین و اشاعت کا دوسرا موقع پیدا نہ ہوتا۔

اس کتاب کو حضرت شیخ الہند کے سیاسی افکار و نوادر کا دستاویزی مجموعہ کہنا چاہیے۔

حضرت شیخ الہند کی شخصیت اور سیاسی خدمات کے تعارف میں جو دو مقالے شامل ہیں، ان میں سے پہلا مقالہ "شیخ الہند سیمینار۔ دہلی (۱۹۸۶ء) میں پیش کیا گیا تھا اور "مقامِ محمود" میں شامل ہے۔ دوسرا مقالہ اس سے قبل لاہور کی ایک انجمن کے زیر اہتمام حضرت شیخ الہند کی یاد میں ایک مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا تھا اور ہفت روزہ چٹان لاہور میں شائع ہوا تھا۔ دونوں مقالے بعض دیگر رسائل و جرائد میں بھی شائع ہوتے تھے۔ یہاں مقصود ان کی اشاعت نہ تھی لیکن صاحبِ نوادر کی شخصیت کے تعارف کے لیے ان کی شمولیت کو گوارا کر لیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ ان مقالات سے یہ مقصد بہ خوبی پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت کے فتووں کے باب میں حضرت کی فتویٰ نویسی کی تاریخ، نوعیت اور فتوؤں کی حیثیت بھی بیان کر دی ہے اور اسی طرح خطوط کے باب میں خطوط نویسی کے خصائص و محاسن کے ضروری اشارات و مطالب کو مرتب کر دیا ہے۔

یہ تالیف مجلس یادگار شیخ الاسلام کی دوسری پیش کش ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ یوم پیدائش کی تقریب سے نذرِ قارئین کی جا رہی ہے۔

مولانا آزاد اور حضرت شیخ الہند کی تاریخ پیدائش میں تقریباً اڑتیس سال کا فرق ہے اور یہ فرق معاصر بنانے کے بجائے بزرگ و خرد ثابت کرنے میں زیادہ ممد ہے۔ لیکن اس عہد کی بزرگ و معاصر مذہبی و دینی اور علمی شخصیات میں حضرت شیخ الہند واحد شخصیت ہیں جن سے مولانا نے عقیدت و نیاز کا اظہار اور جن کی بزرگی اور علم و تقویٰ کا اعتراف کیا ہے اور بزرگوں کی صف میں سے حضرت نے مولانا آزاد کی سیاسی خدمات کا اعتراف اور مولانا کے علم و بصیرت اور سیرت پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔ حضرت کے بہ قول الہلال نے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا کام یاد دلایا تھا اور مولانا آزاد آزاد اس عہد کی واحد شخصیت تھے جو "امام الہند" بنائے جانے کے لائق تھے۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

۲؍ اکتوبر ۱۹۸۸ء

حضرت شیخ الہند کی عظمت کے عناصرِ ترکیبی

تاریخ عالم میں بہت سی ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنہیں بڑا کہا جاتا ہے۔ یہ شخصیتیں علم و عمل کے مختلف میدانوں میں اپنے خصائص و خدمات کی بناء پر بڑی کہلاتی ہیں۔ ملّت اسلامیہ پاک و ہند کی تاریخ بھی بڑے بڑے علمائے دین، صوفیائے کرام، مشائخ عظام اور ادیبوں، مصنّفوں، مدبّروں، مفکّروں اور قومی خدمت گزاروں کے ذکر سے خالی نہیں۔ ان کے نام ہماری زبان پر اور ان کے تراجم و تذکار زیرِ تحریر و مطالعہ آتے ہیں تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔

یہ صورت تو اس وقت ہوتی ہے جب ہمارے ہاتھ میں ایک حقیقت پسند ادیب اور مؤرّخ کا قلم ہوتا ہے اور ہمارا ذہن تعصّب سے اور زبان مبالغہ سے قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں۔ مجرّد و منفرد عظمتوں کا یہی ذکر جب ایک نیاز مند زبان پر آتا ہے تو قلب عقیدت سے جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ اگر درد مند دل پہلو میں، داور ارادت سے قلم کا سر جھک جائے تو ممدوح کے محاسن کی ایک ایک خوبی کو سو سو انداز سے بیان کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اس عہد کی ایک عظیم اور نادرِ روزگار شخصیت اور مذہب و سیاست میں سلطانِ وقت و اسکندرِ اعظم تھے تو یہ ایک روادار قلم کی تحریر اور عقیدت مند قلب کا فیصلہ نہیں ہوتا، نہ یہ بات تحریر کرتے ہوئے ان کی کوئی مجرّد خوبی ذہن میں آتی ہے۔ اگر کسی مجرّد خوبی ہی کی بنا پر کوئی شخص عظمت کے تاج کا مستحق قرار پائے تو یقین کرنا چاہیے کہ تاریخ ملّت اسلامیہ

یہ مضمون جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام دہلی میں منعقدہ شیخ الہند سمینار پر پیش کیا گیا۔ سمینار کے مجموعۂ مقالات "مقام محمود" میں شامل ہے۔

پاک و ہند میں ایسے بے شمار علما کے نام ملتے ہیں جن کے علمی و تصنیفی کارنامے بے حد و حساب ہیں، ایسے صوفیہ و مشائخ ہیں جن کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے، شعلہ بیان و آتش نوا خطیبوں کی بھی تاریخ میں کمی نہیں، فلسفہ و کلام کے ایسے ماہر ہیں جن کی نکتہ آفرینیوں کا کوئی جواب نہیں، ایسے حکما و عقلا ہیں جن کی حکمت و دانائی نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے، بے مثال شاعر، لاجواب ادیب اور ایسے صاحب طرز انشاء پرداز ہیں جن کے کلام دانشا کی دل ربائیوں نے لاکھوں قارئین ادب کے الگ الگ حلقے اور مستقل مکاتب فکر و فن پیدا کر دیے ہیں، کتنے ہی مدبّر اور متفکر ہیں جن کے افکار نے زندگی کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ مختلف علوم و فنون کی تاریخ میں ان کے نام عزت و احترام سے جگہ پانے کے مستحق ہیں، لیکن علم و فکر اور فلسفہ و عمل میں ان کی عظمتوں کے اعتراف کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ "شیخ الہند" ان میں کوئی نہیں۔

اگر ہم انسانی عظمت کے بجائے علم و عمل کی کسی ایک خوبی اور فکر و سیرت کے کسی خاص حسن کے شیدائی ہوتے تو ہمارا مرجع اور مرکزِ عقیدت کوئی اور شخصیت بھی ہو سکتی تھی اور تعجب نہ ہوتا کہ ہم حضرت ہی کے حلقے کے کسی صاحب علم و فن کو اپنی نیاز مندی اور عقیدت کے اظہار کے لیے منتخب کر لیتے کہ اس حلقے میں بے مثال ادیب و خطیب، محدّث و مفسّر، شیخ و صوفی، مدرس و معلم اور صحافی و مبلغ سے لے کر حکیم الامت تک موجود تھے۔ یہ نہ سمجھ لیجیے کہ میں ان خصائص و محاسن کا منکر ہوں لیکن مجھے ایک جامع الصفات عظیم انسان کی تلاش ہے۔ کسی ایسی عمارت کی ضرورت نہیں جو اپنی تاریخ رکھتی ہو لیکن فیضانِ الٰہی کی بخششوں سے مالا مال نہ ہو اور اپنے حسنِ تعمیر میں آگرے کے تاج اور نظارۂ جمال میں لاہور کے شالا مار کی طرح کسی آمر کے حکم اور کسی سرمایہ دار کی دولت کی رہینِ منّت ہو۔ میں کسی ایسی عمارت کے حسن کا متلاشی نہیں جسے قیمتی پتھروں کے استعمال سے رنگین و سنگین بنایا گیا ہو۔ میں ایک ایسی انسانی سیرت کا جویا ہوں جسے فکر و عمل کے حسن و توازن اور جامعیت نے عظیم بنایا ہو۔ جس کا تعلق اسی عہد سے ہو اور جس کا نام ہماری سماعت اور فہم کے لیے نامانوس نہ ہو۔ جس کا فکر بلند، قلب فراخ اور نظر وسیع ہو جو اپنے مذہبی عقائد میں محکم اور سیرت اسلامی میں پختہ ہو، جو مسلمانوں کے لیے ایک آبرومندانہ زندگی کا خواہاں ہو۔ لیکن جس کی نظر میں تمام خلق انسانی خدا کا گھرانا ہو اور وہ اس پورے گھرانے کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند ہو۔ جس کی ملت پروری کا یہ عالم ہو کہ بلقان کی جنگ اور سمرنا و تھریس اور طرابلس کے میدانوں میں کسی مسلمان کے پیر میں کانٹا چبھے تو وہ کسی قریۂ سعادت کی مسندِ رشد و ہدایت پر اور مجلس

درس و تدریس میں تڑپ اٹھے لیکن اس کی انسانی ہمدردی و غم گساری کا یہ عالم ہو کہ اپنے غلام ملک میں ایک ایک برادرِ وطن کی آزادی کے لیے اپنی زندگی کی راحتوں کو قربان کر دے، جس نے میدانِ جنگ میں خدا اور اس کی بخشی ہوئی آزادی کے دشمنوں سے نفرت کرنا سیکھا ہو۔ لیکن جو مخلوق خدا سے محبت کرنے اور انہیں ان کی چھینی ہوئی آزادی دلانے کے لیے پیدا ہوا ہو۔ مجھے ایک ایسے وجود گرامی کی تلاش ہے جس کا تعلق خواہ قصبہ و شہر کے کسی قریے سے ہو، لیکن وہ پورے ملک کا افتخار ہو، اس کے نام کے ساتھ تعارف کے لیے خواہ دیوبندی یا کچھ اور لکھا جاتا ہو لیکن اس کی سیرت تمام مکاتبِ فکر کے لیے محمود ہو، اس کا تعلق اگرچہ برصغیر پاک و ہند سے ہو لیکن اس کا قلب پورے ایشیا میں استعمار کے استحصال پر خون کے آنسو روتا ہو اور اگرچہ وہ خود ایشیائی ہو لیکن اس کی نظر میں افریقی یورپی اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان آزادی و امن میں برابر ہوں اور دنیا کا ہر مظلوم خواہ اس کا تعلق کسی ملک اور کسی قوم و طبقہ سے ہو، وہ یکساں ہمدردی و حمایت کا مستحق ہو۔

دنیا میں بہت سے خصائص و فضائل اور مظاہر کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس میں طاقت و قوت، مال و دولت، حسن و جمال، حکومت و اقتدار بھی شامل ہیں۔ پس اگر کوئی شخص انہیں چیزوں کا پرستار ہے تو اسے کون روک سکتا ہے، وہ اپنے معبود کے حضور اپنی جبینِ عجز و نیاز جھکا دے۔ دنیا کی تاریخ عبودیت و نیاز کے حسین مناظر اور حیرت زا نظارہ جات سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے گرد و پیش کی دنیا میں نہ طاقت و قوت کے معبودانِ باطل کی کمی ہے جو انا ربکم الاعلیٰ کے نعرہ زن ہیں، نہ مال و دولت کے ایسے حسین مناظر کی، جن کی دلفریبیوں نے ایک عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور نہ حکومت و اقتدار کے ایسے ساحروں کی جو درحقیقت خود مسحور ہیں لیکن ان کے اقتدار کی بجلیوں کی چمک اور حکم و صدائے انا ولاغیری کی کڑک نے عقلوں کو ماؤف اور ذہنوں کو مسحور کر رکھا ہے۔ ان کے علاوہ دنیا میں مٹ جانے والی قوت و طاقت، متزلزل ہو جانے والے اقتدار اور فانی حسن و جمال کے آگے جھکے ہوئے سروں کی بھی کمی نہیں۔ خدا کی پھیلی ہوئی زمین پر کسی بھی ملک میں انسانی شرف کی پامالی کا یہ اندوہناک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن آپ مجھے کسی ایسی شخصیت کا پتا اور ایسی عظمت کا نشان بتائیں جو فضائل علمی اور خصائصِ سیرت دونوں کی جامع ہو، جس کے افکار کی روشنی نے غلامی کی ذلت و نکبت

سے آزادی کی عزت اور آبرومندانہ زندگی کی طرف رہنمائی کی ہو، جس کے پاس حکومت کا اقتدار نہ ہو لیکن وہ دلوں پر حکمران ہو، جس کے پاس مال و دولت کے ڈھیر نہ ہوں لیکن اس کے سرمایۂ ذوقِ عمل سے ایک دنیا اس کی گرویدہ ہوگئی ہو۔ وہ حسن و جمالِ ظاہری کا مالک نہ ہو لیکن وقت کے تمام سلاطینِ عشق اور شیفتگانِ حریت اس کی زلف کے اسیر ہوں اور اس کے ایک ادنیٰ اشارہ ایما پر وطن میں اپنی زندگی کی راحتوں کو تج کر غربت اور جلاوطنی کی زندگی کی صعوبتوں کو اپنے لیے سرمایۂ راحتِ جاں سمجھ کر اپنے سینے سے لگالیں اور اس کے عشق میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں کے لیے زنجیر کی کڑیاں ڈھالنے کا کام انجام دیں، وہ اپنی صلیب خود اپنے کندھے پر اٹھالیں اور آزاد زندگی کی سیر و گردش کی جگہ اسارت کے حبس اور زنداں کے سیہ خانۂ قید کو قبول کرلیں، جس نے اپنی زبان سے خواہ کبھی حکم نہ چلایا ہو لیکن دنیا نے اس کے نطق و بیان کے موتی چن لینے کے لیے اپنے دامن پھیلا دیے ہوں، جس نے دنیا کو اپنی پرستش کے لیے خواہ نہ پکارا ہو کہ اس کے عقیدے میں یہ کفر تھا کہ انسانی شرف کو پامال کیا جائے لیکن دنیا نے عقیدت و نیاز کا سر اس کے سامنے ضرور جھکا دیا ہو۔

حضرات! میرا ذوق ایک ایسی سیرت کے پاک باز حامل کے نظارۂ جمال ہی سے تسکین پا سکتا ہے۔ جو اپنی زندگی کے تمام اعمال، روز و شب کے معمولات، اپنی شکل و صورت اور وضع قطع میں ایک مذہبی زندگی اور شخصیت کی مثال ہو لیکن وہ ملکی زندگی کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہو اور قومی فرائض کی بجا آوری میں وہ کسی قوم پرست سے پیچھے نہ ہو اور ایک مذہبی عالم ہونے کے ساتھ کہ وہی اسلامی زندگی میں رہنمائی کا سب سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے، وقت کی سیاست اور اس کی رفتار کار کا اندازہ شناس بھی ہو۔ مذہب و سیاست کے جام و سنداں پر جس کی گرفت سخت ہو اور دونوں بہم کر کے ان کے دائرہ و حدود کی نزاکت پر نظر رکھ سکے اور شریعت کے خصائص کو عشق کے مطالبوں اور تقاضوں سے پامال نہ ہونے دے اور جس کی سیرت کی یہ خوبی ہو کہ سیاست کے دریا میں اپنی کشتی کی تختہ بندی کرے اور دریا کے چھینٹوں سے اپنی زندگی کے دامن کو تر بھی نہ ہونے دے۔

حضرات! اس تمہید لطیف کو کہاں تک طویل اور اس حکایت لذیذ کو کب تک دراز کیا جائے میرے لیے اس حکایت میں خواہ کتنی ہی دل فریبی کا سر و سامان ہو لیکن یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کی طلب کو اپنے ذوقِ بیان و داستان سرائی کا پابند کروں۔

میں صاف الفاظ میں اپنے اس عقیدے کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ان تمام فضائل و محامدِ علم و عمل اور خصائص و محاسنِ فکر و سیرت اور ایثارِ وقت و جان اور جہادِ ملی و قومی کی جامع کوئی شخصیت اگر ہے تو وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی ہے۔

حضرت کی زندگی پر نظر ڈالنے اور آپ کے افکار و خدمات کے بیان و تجزیہ کے کئی انداز ہو سکتے ہیں، ان میں سے ایک انداز یہ ہوگا ــــ اور عام طور پر اہلِ قلم اور اصحابِ نظر اسی کو اختیار فرمائیں گے کہ علم و عمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار و خدمات کا جائزہ لیا جائے۔ لیکن ان معنوں میں آپ کی ذات گرامی ایک ذات تھی کہاں؟ آپ کا وجود مقدس و گرامی مرتبت علم و ادب، فکر و نظر، مذہب و سیاست، ایثار و عمل، اخلاق و سیرت اور مذہبی علوم و فنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سیکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھا۔ آپ کے وجودِ مقدس سے فیضانِ الٰہی کے سیکڑوں چشمے پھوٹے تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی کا ایک خاص دور میں ایک محور ضرور تھا۔ لیکن اپنے دور میں آپ خود ایک نظام رشد و ہدایت اور مذہب و سیاست کے مرکز و محور تھے۔ آپ کی خدمات کا جائزہ اس طرح بھی لیا جا سکتا ہے کہ آپ کی دعوت تغیر و تبدل کے آغاز سے لے کر انقلابِ حالات تک، مسندِ درس و تعلیم اور ذوقِ عمل کی تربیت سے لے کر میدانِ جہاد و عمل تک، تالیف و تدوینِ افکار سے لے کر جہادِ لسانی کے ملی و قومی میدانوں تک، مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی سے کر بین الملی سطح تک اور مسلمانوں سے لے کر برادرانِ وطن تک، ملکی حالات سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک اور اسلامی دینی دائرے سے لے کر قومی سیاست کے تمام گوشوں تک پھیلی ہوئی ہے اس پر من حیث المجموع نظر ڈالی جائے۔ دینی و ملی، ملکی و قومی اور بین الاقوامی سیاست میں دار العلوم کی مسندِ درس و تدریس، اصحابِ عمل اور مردان کار کی تعلیم و تربیت، جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام ترکی کے لیے ایثارِ وقت و مال، مولانا عبید اللہ سندھی کا سفر کابل، خود حضرت کا سفر حجاز و اسارتِ مالٹا، ریشمی رومال کی تحریک، خلافت کی تحریک اور ترک موالات، ہندو مسلم اتحاد، دار العلوم دیوبند اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا ربط و اتصال، حضرت کی دعوت و رہنمائی کے خاص عنوانات ہیں۔

حضرات! فرصت کے ان چند لمحوں میں ان تمام دائروں میں حضرت علیہ الرحمہ کی رہنمائی اور سیرت و افکار کے خصائص کا ذکر اجمال سے بھی ممکن نہیں۔ اب اس صحبت کو ختم کرتا ہوں

اور صرف اتنا عرض کروں گا کہ :

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے خانوادۂ ولی اللّٰہی میں شاہ اسمٰعیل شہید کو خود شاہ صاحب سے بھی اونچا مقام عطا فرمایا تھا اور یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اگر ان کے عہد میں شاہ صاحب بھی ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے ہوتے میں پوری علمی بصیرت کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ پورے علمی خانوادۂ قاسمی میں جو برِصغیر کی تاریخ میں ڈیڑھ سو سال پر پھیلا ہوا ہے، حضرت شیخ الہند کا وہی مقام ہے جو اُس تحریک کے دورِ ثانی میں شاہ اسمٰعیل شہید کا تھا۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی زندگی میں وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ اگر اس دور میں حضرت قاسم العلوم نانوتوی علیہ الرحمہ ہوتے تو وہ بھی اسی سلطانِ وقت و اسکندرِ عزم کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔

برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا یہ عہدِ سعادت اور دورِ علوم و افکار اسی ذات گرامی اور فضیلت مآب کا عہد ہے جسے تاریخ اسلامیانِ پاک و بھارت میں محمود حسن کے نام، دیوبندی کی نسبت اور شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرات! اس صحبت و فرصت کے لمحات اختتام کو پہنچے۔ رخصت چاہتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی

حضرت شیخ الہند ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد مولانا ذوالفقار علی بسلسلہ ملازمت مقیم تھے، مولانا ذوالفقار علی ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جو دارالعلوم دیوبند کے قیام میں ساعی اور اس کی پہلی مجلس شوریٰ کے ایک ممتاز رکن تھے۔

تعلیم:

حضرت شیخ الہند نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ ابتدائی کتابوں سے آگے بڑھے تو انھیں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے سپرد کر دیا گیا مولانا کا قیام اس وقت میرٹھ میں تھا اور منشی ممتاز علی کے مطبع میں مصحح کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو حضرت شیخ الہند دیوبند تشریف لائے اور دارالعلوم میں داخل ہو گئے، اور مولانا محمودؒ عرف ملا محمود، مولانا محمد یعقوبؒ ابن مولانا مملوک العلی اور سید احمد دہلوی سے علوم کی تکمیل کے بعد ۱۸۷۳ء میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔

سلسلۂ تدریس:

تدریس کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب آپ آخری کتابیں پڑھ رہے تھے، فراغت کے بعد ۱۸۷۴ء میں معاون مدرس کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا، لیکن ایک سال تک انھیں اس خدمت کی کوئی تنخواہ نہیں ملی اس سے اگلے سال انھیں مدرس چہارم کی حیثیت سے متعین کیا گیا اور پندرہ روپے مشاہرہ مقرر ہوا۔ ۱۸۸۰ء میں انھیں مدرس سوم اور تقریباً دو سال کے بعد مدرس دوم بنا یا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں مولانا سید احمد دہلوی نے دارالعلوم چھوڑا تو ان کی جگہ پر حضرت شیخ الہند کو مدرس اوّل مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا جسے آپ نے بہ اصرار منظور فرمایا۔

دارالعلوم کا عہدۂ صدارت:

عہدۂ صدر مدرسی کے بارے میں مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

"دار العلوم کا عہدۂ صدارت تدریس محض مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ مقتدائی کا عہدہ رہا ہے جس پر آنے والے کے علمی اثرات سے قلوب متاثر و مستفید رہتے آئے ہیں"[1]

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ "مقتدائی" فقہ کے کسی خاص مکتبۂ فکر یا تصوف کے کسی خاص سلسلۂ رشد و ہدایت کی نہ تھی، نہ کسی خانقاہ کی تولیت یا کسی صاحب سلسلہ کی خلافت سے حاصل ہوئی تھی۔ دار العلوم کے عہدۂ صدر مدرسی کو کسی کلیہ کی پرنسپل شپ یا کسی جامعہ کی وائس چانسلر شپ سے بھی مماثل قرار نہیں دینا چاہیے کہ محض تعلیم و تدریس میں رہنمائی و نگرانی اور چند انتظامی امور کی بجا آوری سے اس کا تعلق ہو۔

تحریک آزادی کا مرکز:

دار العلوم کی تحریک اور اس کے مقاصد و طریقۂ کار ہیں تو الگ ایک باب کی ضرورت ہوگی یہاں اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ دار العلوم نہ محض ایک درسگاہ تھی نہ کوئی خانقاہ، دار العلوم اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی زندگی کے قیام اور سیاسی آزادی کی تحریک کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا دار العلوم بیک وقت دینی و سیاسی تعلیم گاہ اور تربیت کا مرکز تھا۔ حضرت شیخ الہند رح نے یہاں مولانا محمد قاسم نانوتوی سے دین اور سیاست کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور تربیت بھی پائی تھی اب اس تحریک کے مجاہدوں کی تعلیم و تربیت دینی و سیاسی کی ذمہ داری آپ پر تھی۔

ثمرۃ التربیت کا قیام:

اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے فضلاء اور بہی خواہان تحریک دار العلوم کی ایک جماعت "ثمرۃ التربیت" کے نام سے ۱۸۷۸ء میں قائم کی تھی اور اس طرح علوم دینی کی تدریس اور سیاسی تعلیم و تربیت نہایت ہی خوش اسلوبی اور کامل درجہ توازن کے ساتھ ہو رہی تھی۔ مولانا محمد میاں نے اس کے ثمرات کے متعلق لکھا:

"آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رح کے تلمیذ خاص اور ہم راز رفیق تھے۔ لہٰذا آپ تحریک دار العلوم دیوبند کے اصلی منشاء سے بخوبی واقف

---

[1] نئی دنیا، دہلی (عظیم مدنی نمبر ۱۹۰۰ء) ص ۲۷

تھے چنانچہ آپ کی تدریس خشک اور جامد زہد و تقوی کی تلقین نہیں ہوتی تھی. بلکہ آپ کی تربیت نے ایسے حضرات کو پیدا کیا جو آسمان سیاست کے روشن ستارے مانے گئے"۔ لے

ارشد تلامذہ:

مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبید اللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا احمد علی لاہوری امیر انجمن خدام الدین لاہور، مولانا محمد صادق سندھی بانی مدرسہ مظہر العلوم کراچی، مولانا عزیر گل (حضرت شیخ الہند کے رفیق اسارت مالٹا)، مولانا عبد الرحیم پوپلزئی (آخر الذکر دونوں علمائے کرام شمال مغربی سرحدی صوبے سے تعلق رکھتے تھے) وغیرہ حضرات تو آپ کے شاگرد اور تحریک آزادی کے عظیم رہنماؤں میں سے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا اشرف علی تھانوی بھی حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں تھے۔

مرکز کشش ثقل سیاسی:

لیکن اس عہد کے اکابر سیاست دانوں میں سے کون ہے جو شیخ الہند کے افکار سیاسی سے مستفید نہ ہوا ہو اور جس نے آپ کے عمل و سیرت سے عزیمت و استقامت کا سبق نہ سیکھا ہو۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، حکیم اجمل خاں، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد علی وغیرہ کون ہے جو وقت کے اس سیاسی سورج کے نظام کشش سے کلیتہً آزاد ہو۔

علمائے دہلی و یو۔پی:

اگرچہ علوم دینی میں دہلی، لکھنؤ وغیرہ میں بعض دوسرے منابع نور بھی تھے اور ان کے اپنے الگ الگ نظام قمری تھے لیکن سیاسی روشنی وہ اسی منبع نور سے حاصل کرتے تھے۔ سیاست میں انھیں پیشوائی و مقتدائی کا جو مقام حاصل تھا وہ بذاتہٖ نہ تھا بلکہ بغیرہٖ تھا۔ علمائے فرنگی محل کے شیخ وقت مولانا عبد الباری آپ کی بزرگی مشیخت اور سیاسی رہنمائی کے معترف و مداح تھے۔ مولانا محمد الیاس جھنجھولا

لے علمائے حق (حصہ اول) مولانا سید محمد میاں کتب خانہ فخریہ، مراد آباد ۱۳۶۵ھ، ص ۱۱۳

نے تبلیغی جماعت کے بانی اور امیر کی حیثیت سے عالمگیر شہرت پائی، حضرت شیخ الہند کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کر چکے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد آپ کے حسن سیرت کے گرویدہ اور عزیمت کے معترف تھے۔

علمائے پنجاب:

علمائے لاہور ولدھیانہ میں سے اکثر ایک الگ فقہی مسلک رکھنے کے باوجود سیاسی میدان میں ان کے مطاع و مرشد بھی حضرت شیخ الہندؒ تھے

اکابر علی گڑھ:

حضرت شیخ الہند کی دینی بزرگی اور سیاسی رہنمائی کا اعتراف مذہبی حلقے ہی میں نہیں کیا گیا' سیاست کے دوسرے مکتبۂ فکر یعنی علمائے علی گڑھ کے اکابر نے بھی کیا ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا جو عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ہوا اس میں تحریک علی گڑھ کے اکابر بھی شریک ہوئے۔ اس جلسے میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ دارالعلوم کے تعلیم یافتہ علی گڑھ کالج میں انگریزی پڑھنے جایا کریں اور علی گڑھ کے گریجویٹ دینی تعلیم کے لیے دیوبند آئیں۔ اس تجویز کو اکابر دیوبند نے بھی پسند کیا لیکن افسوس کہ اس تجویز کے مطابق علی گڑھ سے جو گریجویٹ سب سے پہلے دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے وہ برٹش حکومت کے سی۔ آئی۔ ڈی تھے جنھیں بعد میں حسن خدمات کے صلے میں سپرنٹنڈنٹ سی۔ آئی۔ ڈی کا عہدہ حاصل ہوا۔

وقار الملک نواب مولوی مشتاق حسین:

نواب وقار الملک حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت درجہ معتقد اور ان کی سیاسی تحریک کے معترف تھے اس کے ثبوت کے لیے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ ۱۹۱۳ء میں نظارت المعارف القرآنیہ کے نام سے جو ایک سیاسی ادارہ حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کیا اور اپنے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھی کو اس کا ناظم بنایا تھا اس کے سرپرستوں میں حکیم اجمل خاں دہلوی اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے نظارت المعارف کا مقصد پڑھے لکھے خصوصاً علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سیاسی تربیت اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفۂ حکمت کے مطابق ہندوستان کے موقتہ حالات میں سیاسی رہنمائی کرنا تھی۔

سیاسی تعلیم و تربیت:

حضرت شیخ الہندؒ کے نزدیک دینی و سیاسی دونوں قسم کی تعلیم و تربیت کی ضرورت اور اہمیت تھی دینی تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے سب سے اوّل دارالعلوم دیوبند تھا اور دوسرے شہروں میں بہت سے چھوٹے بڑے دینی مدارس یہ خدمت انجام دے رہے تھے لیکن سیاسی تعلیم و تربیت کا انتظام اس طرح نہ تھا ملک میں کوئی سیاسی تنظیم اور جماعت موجود نہ تھی جس کی عملی جدوجہد سے مسلمانوں کی ذہنی و فکری راہنمائی اور عملی تربیت کی ضرورت کسی نہ کسی حد تک پوری ہوتی رہتی۔ دراصل جماعت سازی کے اصول اور طریقۂ کار سے ابھی ہندوستان کی سماجی تاریخ آشنا ہی نہیں ہوئی تھی۔ سیاسی تربیت کا کام بھی درس گاہیں اور خانقاہیں انجام دیتی تھیں۔ اگر دارالعلوم میں مصروفِ تعلیم طلبہ ہی کی سیاسی تعلیم و تربیت پر اکتفا کر لیا جاتا تو یہ ایک طویل المیعاد منصوبہ تھا جب کہ حالات کا تقاضہ دوسرا تھا اس لیے ایک درس گاہ کی حدود سے زیادہ وسیع حلقے میں اپنے افکار سیاسی کی اشاعت اور حلقۂ تلامذہ کے علاوہ سیاسی رجحان و فکر رکھنے والے نوجوانوں کی سیاسی تعلیم و تربیت بھی حضرت شیخ الہندؒ کے پیشِ نظر تھی۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے آپ نے ۱۸۷۸ء میں "ثمرۃ التربیت" کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔

جمعیۃ الانصار کا قیام:

اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام عمل میں آیا مولانا عبیداللہ سندھی اس کے ناظم تھے۔ اپریل ۱۹۱۱ء میں مراد آباد میں اس کا جلسہ مولانا احمد حسن امروہویؒ کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں مختلف مکاتب فکر کے علمائے دین اور زعمائے ملت نے شرکت فرمائی۔ یہ جلسہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ جلسے کا اہتمام دارالعلوم کے قدیم طالب علموں نے کیا تھا لیکن برٹش حکومت سے جمعیۃ کے مقاصد اور شیخ الہند اور ان کے تربیت یافتگان کے عزائم دلی چھپے نہیں رہے اور اگرچہ رسماً ایک تجویز میں حکومت کا شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا لیکن جس جمعیۃ کے خطبۂ صدارت میں اس کے صدر مولانا احمد حسن امروہویؒ نے یہ کہہ دیا ہو:

"جمعیۃ الانصار ہرگز کسی انجمن کی نقل نہیں ہے اور نہ کسی کے ذاتی مقاصد سے بحیثیت دنیاوی اس کا تعلق ہے بلکہ اس کے مقاصد وہ ضروری مقاصد ہیں

جن کی آج بہت کچھ ضرورت ہے۔" [1]

اس کے بارے میں حکومت کس خوش فہمی میں کیوں کر مبتلا رہ سکتی تھی اور کب تک؟

سیاسی جد و جہد کے لیے صدر محترم کے اس صاف صاف اعلان جہاد کے بعد "تجویز شکریہ" کی لیپا پوتی کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے، اس کا اندازہ مشکل نہیں۔ چنانچہ انگریزوں کی بدگمانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

۱۹۱۳ء میں ارباب اہتمام کے خاص رویے اور بعض خاص واقعات کے ظہور میں آنے کے بعد مناسب سمجھا گیا کہ سیاسی تعلیم و تربیت کا مرکز دیوبند سے دہلی منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رح کے حکم سے مولانا عبید اللہ سندھی دہلی تشریف لے گئے نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک مرکز قائم کیا اور پیش نظر سیاسی کام شروع کر دیا۔ سیاسی تربیت کے لیے حضرت شیخ الہند رح کے طریق کار پر مولانا عبید اللہ سندھی کے ان الفاظ سے روشنی پڑتی ہے:

"حضرت شیخ الہند رح نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاست سے واقف رہا۔

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند رح کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لیے جانا ضروری تھا۔ کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ جس جماعت کے نمایندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہے، اس میں میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔

---

[1] علمائے حق (حصہ اوّل) ص ۱۳۴

اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند ؒ کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔"[1]

حضرت شیخ الہند ؒ کا انقلابی اقدام:

۱۹۱۲ء تک حضرت شیخ الہند ؒ کا طریق کار وہی رہا جس کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا ہے یعنی تعلیم و تربیت دینی و سیاسی سے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جائے جو قیامِ شرع، ادائے فرض اسلامیہ احیاء و تجدید ملت، ملکی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتی ہو۔

جنگ بلقان و طرابلس:

لیکن ۱۹۱۲ء میں جنگ طرابلس اور کارزار بلقان کے سنگین واقعات اور برطانوی پالیسی نے ان کی روح کو تڑپا دیا اور جس کی وجہ سے برٹش حکومت سے ان کا جذبۂ نفرت اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ ترکوں پر ظلم و ستم اور ان پر مصیبتوں کی خبروں نے ان کا خواب و خور حرام کر دیا اس زمانے میں ان کی بے چینیوں اور بے قراریوں کا عالم دیدنی تھا۔ ان کا نحیف و نزار جسم بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ انھوں نے دارالعلوم کو بند کر دیا طلبہ کے وفود ملک میں بھیجے، خود بھی نکلے، چندہ جمع کیا اور ترکوں کی امداد کے لیے جو کچھ ہو سکتا تھا کیا۔ ترکی میڈیکل مشن بھجوانے کا انتظام کیا اور اس کے لیے سر و سامان سفر کی جمع و فراہمی کا بند و بست کیا بقول شیخ الاسلام مولانا مدنی ؒ مولانا نے تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنے والوں کے لیے شاہراہ عمل قائم کر دی"، مولانا مفتی عزیز الرحمن ؒ فرماتے ہیں:

"جنگ بلقان کے وقت حضرت شیخ الہند ترکوں کی شکست کی خبر سنتے تو آپ کی ریش مبارک پر آنسو گرتے تھے، راتوں کو دعا مانگا کرتے جو اگر کوئی دیکھتا تو بالکل یہ حالت تھی کہ اگر حضرت کے بس میں ہوتا تو انگریزوں کو کچا چبا ڈالتے۔ بہر حال پھر بھی جس قدر بس میں تھا کیا۔ مدرسہ کی چھٹی کر دی طلبہ

---

[1] کابل میں سات سال، ص ۵-۱۰۴

اور مدرسین کو گاؤں گاؤں بھیجا، چندہ کیا، خود اپنی تنخواہ اور تمام ملازمین اور مدرسین کی تنخواہیں چندہ میں دے دیں۔ طلبہ نے آپ کے ارشاد پر اپنے انعامات اور مطبخ کی خوراک بھی چندہ میں دے ڈالی۔ اس طرح تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ترکی بھیجا۔ جس کے صلے میں ترکی حکومت نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور وہ رومال جس میں جناب رسول اللہ صلعم کا پیراہن مبارک رکھا رہتا تھا دار العلوم کو بہ طور تبرک اور عطیہ بھیجا جو آج بھی دار العلوم کے خزانے میں تبرکاً موجود ہے۔"[1]

اس زمانے کے حوادث میں حضرت شیخ الہند کی بے چینی، سینہ فگاری اور دور بینی کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں:

"بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعے نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بیچین کنندہ اثر ڈالا چنانچہ اس وقت حسب طریقۂ استاذِ اکبر مولانا محمد قاسم صاحب (در جنگ روس) مولانا نے اپنی جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی۔ فتوے چھپوائے، مدرسے کو بند کر دیا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے، چندے کیے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دیکر ایک اچھی مقدار بھجوائی مگر اس پر بھی چین نہ پڑا کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجے نے دوربینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی فکر میں ہیں پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکویتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں، خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجرائے وصایائے گلیڈ اسٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے۔ جو مقاصد مسیحی دنیا کے عرصۂ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کے تکے بوٹی کیے جا رہے تھے اب ان کی انتہا کا زمانہ آگیا ہے۔ اب کوئی دن میں اسلامی وجود دنیا سے اس طرح مٹا دیا جائے گا جس طرح یہودیت تمام

---

[1] تذکرہ شیخ الہند، صفحہ ۱۶۳

عالم سے اور اسلام اسپین اور پرتگال سے۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا، زندگی بھاری ہو گئی، نیند اچٹ گئی مگر زمانے کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں، مسلمانوں اور اہلِ ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں چوں کہ اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدا اے قدوس پر بھروسا تھا اس لیے اس نے تمام خیالات اور اوہام پر لاحول پڑھا اور مردانہ وار گامزن ہوا۔ اس کو مشکلوں کا سامنا ہوا، اس کو سخت اور تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، اس پر بادِ سموم کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے، اس کے لیے احباب و اقارب مار آستین بن گئے، ہر شخص ناصح بن کر سدِ راہ ہوا۔ مگر اس کے پائے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ سب کو چھوڑ دیا مگر اپنے خدا پر بھروسا کر کے دن رات کام میں لگا رہا۔ چوں کہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے۔ اس کو کچھ عرصے کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی تک دنیا میں کام کرنے والے لوگ ابھی موجود ہیں مگر کام لینے والے بہت کم ہیں مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر ان کو جمع کرنے والا نہیں“۔ [1]

”الحاصل مولانا نے اس تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنے والوں کے لیے جن کو مدت سے تحیّر اور مدہوشی تھی مگر طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا، شاہراہِ عمل قائم کر دی“۔ [2]

حضرت شیخ الہند کا سیاسی منصوبہ:

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اوّل چھڑ گئی اور برٹش حکومت پر ضرب لگانے اور آزادی کی منزل قریب لانے کے لیے امید کی ایک کرن نظر آئی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مجاہدین کے مرکز یاغستان کو جہاں مولانا سیف الرحمٰن، حاجی ترنگ زئی وغیرہ حضرات موجود تھے اور عرصے

---

[1] سفرنامۂ شیخ الہند، ص ۵، ۶

[2] سفرنامۂ شیخ الہند، ص ۷

سے جماعت کی ضروریات پوری کررہے تھے، پیغام بھیجا کہ اب سکون کے ساتھ کام کرنے کا وقت نہیں ہے سر بکف ہو کر میدان میں آجانا چاہیے۔ وہاں سے جواب آیا کہ جب تک کسی آزاد حکومت کی پشت پناہی اور امداد حاصل نہ ہوگی ہماری شجاعت اور جان بازی بے کار ہے۔ اس لیے آپ کسی حکومت کی امداد اور پشت پناہی حاصل کرنے کا انتظام کیجیے اور آپ خود یہاں تشریف لے آیئے۔

مجاہدین میں جاں بازی اور جگر کاری کا جذبہ بے انتہا تھا، لیکن انھیں کسی حکومت کی امداد حاصل نہ تھی، کوئی ملک ان کا پشت پناہ نہ تھا ہندستان سے حضرت شیخ الہند ان کی مالی امداد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے یا ملک کے دوسرے حصّوں سے علما اور اہل دل انفرادی اور خفیہ طور پر مدد پہنچاتے تھے۔ لیکن یہ سب امداد اور چندے بھی ضرورت کو پورا نہ کر سکتے تھے مجاہد جان توڑ کر لڑتے تھے لیکن کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو انھیں مورچہ چھوڑنا کر رسد کے لیے دور دراز گاؤں میں جانا پڑتا کارتوس ختم ہو جاتے تو ان کے حصول کے لیے انھیں مورچہ چھوڑنا پڑتا۔ ان حالات میں برطانوی حکومت پر کوئی کاری ضرب نہ لگائی جا سکتی تھی[۱] حضرت شیخ الہندؒ نے ان تمام باتوں کا اندازہ کر کے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا تاکہ وہ افغانستان کی طرف سے حملہ کرنے کی سعی کریں اور خود حجاز جانے، ترکی زعماء سے ملاقات کرنے اور مجاہدین کے مرکز کا کوئی مستقل بند و بست کر کے مجاہدین کے مرکز یا یاغستان پہنچ جانے کا منصوبہ تیار کیا۔ اسی زمانے برٹش حکومت نے ایسے تمام افراد کو گرفتار کر لینے کا فیصلہ کیا جن سے انھیں غیر مشروط تعاون و امداد اور ان کی پالیسی کی مکمل حمایت کے بجائے مخالفت اور برٹش حکومت کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے، کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے اور ملک میں انتشار پھیلانے کا خطرہ تھا۔ یہ صورت حال حضرت شیخ الہندؒ کے لیے بڑی تشویشناک تھی اور اگر وہ گرفتار ہو جاتے تو سارے منصوبے پر پانی پھر جاتا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی حجاز روانگی:

مولانا غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے انھیں ایک مرتبہ بتایا کہ

"ہندستان میں گرفتاریاں شروع ہو گئیں تو مولانا محمود حسن کو تشویش پیدا ہوئی

[۱] نقش حیات جلد دوم، مولانا حسین احمد مدنی، ص ۱۴۵

کہ کہیں بیٹھے بٹھائے گرفتار نہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک کام کا سازگار زمانہ آگیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہر اقدام کے لیے آزاد رہیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے (ابوالکلام آزاد کو) بلا بھیجا۔ دہلی میں ملاقات ہوئی، دیر تک معاملے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی رہی میری (مولانا آزاد کی) قطعی رائے یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہیے۔ اور یہیں رہ کر اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ اگر اس اثنا میں گرفتاری کی منزل آجائے تو اسے قبول کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ مجھے بخوبی علم تھا کہ باہر جا کر کچھ نہ ہو سکے گا اور دوسرے ملک کے بجائے اپنے ملک میں معطل بیٹھا رہنا بہتر تھا لیکن مولانا محمود حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے حجاز جائیں پھر ترکوں سے ربط ضبط پیدا کر کے ایران و افغانستان کے راستہ یاغستان پہنچ جائیں جسے وہ آزادی کے لیے تمام سرگرمیوں کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔"[1]

حضرت شیخ الہندؒ اپنے منصوبے کے مطابق حجاز کے لیے روانہ ہوئے ادھر ان کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا بمبئی پولیس کو تار کے ذریعے گرفتاری کا حکم پہنچا مگر عقیدت مندوں کے ہجوم اور خلقت کے ازدحام کی وجہ سے پولیس انھیں گرفتار کرنے سے قاصر رہی پھر جہاز کے کپتان کو تار دیا گیا مگر جہاز پر یہ تار اس وقت موصول ہوا۔ جب حضرت شیخ الہند جزیرہ سعد میں قرنطینہ کے لیے اتر چکے تھے اور اس طرح اس دفعہ بھی آپ گرفتاری سے بال بال بچ گئے اور بخریت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

غالب پاشا سے ملاقات:

مکہ معظمہ کے گورنر غالب پاشا تھے جو حضرت شیخ الہند سے پہلے سے واقف تھے۔ آپ نے ان سے ملاقات کی اور اپنے منصوبے سے انھیں آگاہ کیا۔ غالب پاشا نے ہر طرح آپ کی امداد اور آپ سے تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں آپ کو کئی تحریریں دیں۔ ایک تحریر مسلمانان ہند کے نام تھی جس میں کہا گیا تھا کہ تمام ہندوستانیوں کو آزادی کامل پر آمادہ ہو جانا چاہیے۔ اور اپنی جدوجہد کو تیز کر دینا چاہیے صلح کے لیے کانفرنس منعقد ہوگی تو اس میں آزادی ہند کی حمایت کریں گے یہی وہ مشہور تحریر ہے جو تاریخ میں "غالب نامہ" کے نام سے مشہور ہے ایک دوسری تحریر گورنر مدینہ بصری

پاشا کے نام تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مولانا محمود حسن کو استنبول تک بحفاظت پہنچانے اور انور پاشا اور جمال پاشا سے ان کی ملاقات کا بندوبست کرادیا جائے۔ تیسری تحریر غازی انور پاشا وزیر حربیۂ ترکیہ کے نام تھی۔ اِس میں حضرت شیخ الہند کو ان کے منصوبے میں امداد دینے کی سفارش کی گئی تھی۔

غازی انور پاشا سے ملاقات:

حضرت شیخ الہند یہ تحریریں لے کر مدینہ منورہ تشریف لائے حسن اتفاق سے غازی انور پاشا بھی وہاں پہنچ گئے اور اس طرح ان دونوں ترکی زعماء سے آپ کی ملاقات مدینہ منورہ ہی میں ہوگئی۔ انور پاشا بھی آپ کی شہرت سن چکے تھے جب آپ نے انھیں اپنا منصوبہ بتایا تو وہ نہایت درجہ خوش ہوئے امداد کا وعدہ فرمایا اور چند تحریریں لکھ کر دیں جن میں آزاد قبائل کو مجاہدین کا ساتھ دینے اور انگریزوں کے خلاف اپنی کاروائیوں کو تیز تر کردینے کی ہدایت تھی نیز آزاد قبائل کو امداد کا اطمینان دلایا گیا تھا۔

یاغستان پہنچنے کا مسئلہ:

اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ حضرت شیخ الہند یاغستان کس طرح پہنچیں۔ ایران کا راستہ وہاں انگریز فوجوں کے پہنچ جانے کی وجہ سے بالکل بند ہوگیا تھا۔ بحری راستے سے ہندستان ہوکر آزاد قبائل جانا آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔ آخر انور پاشا اور جمال پاشا کے مشورے سے یہ طے پایا کہ العراق ہند سے مکران ہوتے ہوئے آزاد قبائل تک پہنچا جائے لیکن ترکی زعما اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کرنے سے معذور تھے۔

شریف حسین کی بغاوت:

ان امور خاصّہ کی انجام دہی کے بعد آپ دوبارہ مکّہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے خیال تھا کہ غالب پاشا سے ملاقات کے بعد منزل مقصود کی طرف روانہ ہوں گے۔ غالب پاشا اس وقت طائف میں تھے۔ آپ طائف تشریف لے گئے لیکن قدرت کو منظور نہ تھا کہ سفر جہاد شروع ہو وہ آپ کے سامنے ایک اور میدان سعادت کھولنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اسی کے اسباب بھی پیدا ہوتے چلے گئے۔ آپ کا شتربان ایک ہفتے کی چھٹی لے کر چلا گیا اور دوسری کسی سواری کا انتظام نہ ہو سکا ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شریف حسین نے انگریزوں کی مدد سے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی اور حالات کا نقشہ یکسر

پلٹ گیا۔ اس طرح ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ / ۲۳ مئی ۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۶ شوال ۱۳۳۴ھ / ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء تک طائف سے نکلنا ناممکن ہوگیا۔ ۱۰ شوال / ۱۰ اگست کو حضرت شیخ الہند مکہ معظمہ تشریف لائے یہاں سے جدہ تشریف لے گئے وہاں سے پھر مکہ معظمہ تشریف لائے۔

ترکوں کی تکفیر کا فتویٰ:

یہاں خان بہادر مبارک علی اورنگ آبادی نے انگریزوں کے ایما پر ترکوں کی تکفیر اور شریف حسین کی بغاوت کے جواز میں ایک فتویٰ تیار کر رکھا تھا جس پر علمائے وقت نے دستخط بھی ثبت فرما دیے تھے۔ حضرت شیخ الہند کے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا تو آپ نے اس کی تصویب و تصدیق سے انکار کر دیا۔ اس چیز نے شریف اور اس کے حمایتیوں کو سخت مشتعل کر دیا۔

ریشمی رومال:

مولانا عبید اللہ سندھی افغانستان پہنچنے کے بعد اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف ہو گئے تھے۔ انھوں نے وہاں ہندوستان کی آزاد عارضی حکومت قائم کی جسے افغانستان کی حکومت نے تسلیم کر کے اس سے معاہدہ کر لیا، دوسرے ملکوں میں بھی اس کی سفارتیں بھیجنے کا انتظام کیا گیا تاکہ وہ بھی اسے تسلیم کر کے اس کی اخلاقی و مادی مدد کریں۔ مولانا سندھی نے ان تمام حالات کو ایک رومال پر ریشم سے کاڑھ کر ایک معتمد شخص مسمی عبد الحق کے ہاتھ حضرت شیخ الہند کی تحریک کے ایک خاص رکن شیخ عبد الرحیم کو سندھ بھجوایا تاکہ وہ اسے خود یا کسی قابل اعتماد شخص کے ذریعے حجاز میں حضرت شیخ الہند کو پہنچا دیں لیکن وہ خط (رومال) شیخ عبد الرحیم تک پہنچنے کے بجائے عبد الحق کے مربی خان بہادر رب نواز خاں (ملتان) کے ہاتھ میں پہنچ گیا جس نے اسے انگریز گورنر کی خدمت میں پیش کر دیا اور ملک و ملت کی آزادی اور بہی خواہی پر انگریز کی خوشنودی کو ترجیح دی[1]

شیخ الہند کی گرفتاری:

اس رومال کا حکومت کے ہاتھ لگنا تھا کہ ہندوستان بھر میں گرفتاریوں اور قید و بند اور تحقیق و تفتیش کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ تاریخ میں یہ کوشش ریشمی خطوط یا ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے موسوم ہے۔ اب حکومت کو اپنی اس کوتاہی کا احساس

---

[1] آپ بیتی (حصہ اول) ظفر حسن ایبک، ص ۱۳۰۱

ہوا کہ اس نے مولانا محمود حسن کو گرفتار نہ کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے لیکن حجاز میں شریف مکہ کی بغاوت کی کامیابی کے بعد انگریزوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ آپ اب بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں۔ غالب نامہ کی اشاعت سے برٹش حکومت بوکھلائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد انور پاشا کی تحریر برٹش حکومت کے علم میں آئی اور اسے پکڑ لینے کی انتہائی کوشش کے باوجود اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو حکومت حواس باختہ ہو گئی اور اس نے طے کر لیا کہ حضرت شیخ الہند کو بہر صورت گرفتار کر لینا چاہیے اس کے بغیر حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا چنانچہ شریف حسین کو حکم بھیجا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دے۔ شریف نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور دسمبر ۱۹۱۶ء میں آپ کو اور آپ کے رفقاء مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا عزیر گل، مولانا حکیم نصرت حسین اور مولانا وحید احمد کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

اسارت مالٹا:

فروری ۱۹۱۷ء میں آپ کو جزیرہ مالٹا پہنچا دیا گیا۔ اس زمانے آپ نے بڑے مصائب برداشت کیے۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ مستقل عوارض میں مبتلا رہے جو بالآخر مرض الموت کا سبب بنے لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا ہوئی مارچ ۱۹۲۰ء میں آپ کی رہائی کا حکم ہوا۔ بالآخر تین برس سات مہینے کی قید و بند کے بعد ۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچا کر رہا کر دیا گیا۔

ہندوستان واپسی اور مرض الموت:

جون ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان تشریف لائے۔ اگرچہ آپ کی صحت گر چکی تھی لیکن مشاغلِ ملی کا انہماک آپ کو چین نہ لینے دیتا تھا مولانا سید محمد میاں نے آپ کے دورِ آخری کا نقشہ نہایت مؤثر الفاظ میں کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "حضرت شیخ الہند ہندوستان تشریف لائے تو مرض الموت کا آغاز تھا آپ کو وجع المفاصل کا قدیم سے عارضہ تھا۔ کثرت بول کی شکایت بھی پرانی تھی۔ اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید برآں حضرت والا کی شب بیداری اور ریاضت اور قلتِ غذا یا یوں ہمہ پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور اپنی جدوجہد کی ناکامی کا صدمہ۔ ان تمام اسباب کی بنا پر گویا مرض الموت کا سلسلہ مالٹا

ہی میں شروع ہوگیا تھا پھر تقریباً تین ماہ تک راستے کی مشقت اور ہندستان پہنچنے کے بعد خلقت کا ہجوم تحریک کی ترقی، مشاغل کی کثرت وغیرہ یہ سب چیزیں اضافہ مرض کا سبب بنتی رہیں انتہا یہ کہ آپ کو دق ہوگئی مگر درحقیقت اس شیخ طریقت اور شیخ سیاست کی ہمت و استقلال ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لیے سبق آموز ہے کہ تپ دق کا آخری اسٹیج ہے چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں مگر اس حالت میں تحریک کی قیادت جاری ہے اجلاسوں کی شرکت کے لیے سفر ہو رہا ہے صدارت فرمائی جا رہی ہے۔ العظمتہ للّٰہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بستر مرگ پر ایک شیخ فانی کا یہ بے پناہ جذبۂ عمل ہے[1]

جامعۂ ملیہ کا افتتاح:

اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعۂ ملیہ اسلامیہ کے لیے علی گڑھ اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ڈولی میں پڑ کر جلسہ گاہ تک پہنچے تھے چند منٹ بیٹھ کر بھی خطاب کرنا مشکل تھا، مختصر ساخطبۂ صدارت تھا لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھ کر سنایا تھا۔

ایک تاریخی خطاب:

اس خطبے کا ایک ایک لفظ آپ کی سیاسی بصیرت، ژرف نگاہی اور ملی بہی خواہی پر دال اور سوزِ دلی اور عزیمتِ دعوت کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے یہ تاریخی الفاظ اسی خطبے کے ہیں:

> "میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت موعود کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب و ضرب کا"[2]

---

[1] علمائے حق (حصہ اوّل) مولانا سید محمد میاں ص ۲۱۳-۲۱۲

[2] علمائے حق (حصہ اوّل)، ص ۲۱۳، ۲۱۴

دل سوزیٔ ملت:

ملت اسلامیۂ ہندیہ کی تاریخ میں حضرت شیخ الہند کے یہ الفاظ سونے کے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔" [1]

حضرت شیخ الہندؒ کی فراست:

وفات سے صرف ایک ہفتہ قبل دہلی [2] میں جمعیت علمائے ہند کا دوسرا سالانہ اجتماع حضرت شیخ الہند کی صدارت میں ہوا تھا۔ اس اجتماع کا سب سے اہم مسئلہ انتخاب امیر الہند کا تھا۔ آپ اس کے لیے حد درجہ بے چین تھے کہ یہ انتخاب اسی موقع پر کرلیا جائے۔ مولانا عبد الصمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

وہ لوگ جو اس میں شریک تھے، جانتے ہیں کہ اس وقت حضرت شیخ الہند ایسے ناساز تھے کہ حیات کے بالکل آخری دور سے گزر رہے تھے، نقل و حرکت کی بالکل طاقت نہ تھی لیکن باوجود اس کے ان کو اصرار تھا کہ اس نمایندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی ہند کے ذمہ دار اور ارباب حل و عقد جمع ہیں، امیر الہند کا انتخاب کرلیا جائے اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا مگر نزاکت حال کو دیکھ کر طبیب و ڈاکٹر اور خدامِ مخلصین کی اس وقت رائے ہوئی کہ حضرت شیخ الہند کو اس وقت تکلیف نہ دی جائے اور اس مسئلہ کو حضرت شیخ الہند کی صحت پر اٹھا کر رکھا جائے تاکہ پورے اطمینان اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو عمل میں لایا جائے۔" [2]

---

[1] ایضاً ص ۲۱۴

[2] جمعیت کا اجلاس ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر کو ہوا تھا۔ تاریخ امارت، ص، ۵۳

اس وقت حضرت شیخ الہند کو اضطراب کے حقیقی سبب کو کوئی شخص نہیں سمجھ سکا۔ لیکن اس وقت انتخاب امیر کے التواء و تعویق سے جو الجھنیں اور رکاوٹیں اس مسئلے میں پیدا ہوئیں، اس سے حضرت شیخ الہند کے اضطراب و بیچینی کے حقیقی سبب کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ کی فراست اور بصیرت ایمانی اس حقیقت کو دیکھ رہی تھی کہ جس آسانی کے ساتھ اس وقت یہ مسئلہ بلا کسی اختلاف کے طے پا سکتا تھا، بعد میں ممکن نہ ہوگا۔ آپ جانتے تھے کہ یہ مسئلہ قواعد و ضوابط کا پابند نہیں عمل و اقدام کا متقاضی ہے بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت شیخ الہند کی بے چینی درست تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد خود ارباب دیوبند دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک مخصوص طبقہ مصالح وقت اور اپنی ذات کو ملیّ مفادات میں نظر انداز نہ کر سکا علمائے فرنگی محل جو ملیّ معاملات میں دیوبند اور جمعیت علمائے ہند سے نہ صرف قریب بلکہ ان کے شریک رہے تھے وہ اپنی مخصوص جماعت کے نقطۂ نظر سے سوچنے لگے اور علمائے بدایوں جو دیوبند کے مقابلے میں فرنگی محل سے ذہنی قرب رکھتے تھے وہ نظم جماعت اور امارت شرعیہ کے ایک ایسے نظام شیخ الاسلام کے بارے میں سوچنے لگے جس میں مرکزیت اور مرجعیت انھیں حاصل ہو۔ غرضیکہ حضرت شیخ الہند کے انتقال سے ہندستان کی اسلامی قوتیں فرادیٰ و منتشر ہوگئیں اور نظم جماعت کے اسلامی تصور کی حقیقت افتراق و اختلاف میں گم ہوگئی۔

وفات حسرت آیات:

دہلی میں جمعیت علمائے ہند کا مذکورہ سالانہ جلسہ جو آپ کی صدارت میں ہوا تھا۔ اس میں بقول مولانا سید محمد میاں صاحب اس حالت میں شرکت فرمائی تھی

> "بیماری اور نقاہت کی وجہ سے اسٹیج پر تھوڑی دیر بیٹھنا بھی دشوار تھا۔ خطبۂ صدارت لکھا ہوا تھا اور کسی اور نے پڑھ کر سنایا تھا اسی زمانے میں جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی کا سنگ بنیاد آپ کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا"

ابھی دہلی ہی میں اپنے مرید باصفا ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر مقیم اور انھیں کے زیر علاج تھے کہ پیام اجل آپہنچا۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ اس جہانی فانی سے رحیل عالم

جاودانی ہوئے اور مسلمان اس روح عظیم ومقدس کے وجود گرامی اور اس کی رہنمائی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔

اعتراف عظمت:

حضرت شیخ الہند کے سیاسی مرتبے اور آپ کی سیاسی بصیرت اور خدمت کا اعتراف ملک اور بیرونِ ملک کے اکابر نے کیا ہے۔ ان تمام اعترافات کا احاطہ تو ممکن نہیں صرف چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

امیر امان اللہ خاں نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں"

جمال پاشا نے حجاز میں آپ سے ملاقات اور گفتگو کے بعد کہا تھا:

"ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین اور سیاست بھری ہوئی ہے اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں"

برطانوی حکومت کے ایک نہایت ذمہ دار رکن مسٹر سر جیمس مسٹن گورنر یو پی نے کہا تھا:

"اگر محمود حسن جلا کر راکھ بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر گزرے گی"

مولانا ابوالکلام آزاد سورۂ توبہ کی آیت ۴۹ کی وضاحت میں ضمنی نوٹ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"۱۹۱۴ئہ کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا ہندوستان کے علما و مشائخ کو عزائم و مقاصدِ وقت پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے "ائذن لی ولا تفتنی" یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی۔

تم نے بعض علما کے فتوے پڑھے ہوں گے کہ مسلمانوں کو وقت کی سیاسی مجالس میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ موجود ہوتی ہیں اور اس لیے ان کی شرکت فتنے سے خالی نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی کہی

جاتی ہے کہ ان کی شرکت سے نماز باجماعت فوت ہو جاتی ہے اور یہ تقوے کے خلاف ہے یاد رکھو! یہ تقویٰ اور دین داری نہیں ہے جو ان کاموں کی مخالفت پر انہیں ابھارتی ہے۔ یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور قرآن کی شہادت اس کے لیے بس کرتی ہے۔" ؎

اس تمام سیاسی بصیرت اور ملی خدمات کیساتھ دینی حیثیت سے آپ کا وجود گرامی علم و فضل تقویٰ و خشیت الٰہی، اخلاص وللّٰہیت، قرآن و حدیث میں درک و بصیرت، مجتہدانہ شان میں صحابہ و تابعین کرام اور علمائے سلف کی یاد دلاتا تھا۔

عازمِ وقت:

۱۹۱۴ء میں جب مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کی تحریک شروع کی اور منصب ریاست کے لیے انہیں ایک ایسے عازم وقت کی تلاش ہوئی جس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو، جس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو جس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمت و رسالت کے تمام اسرار و غوامض اور معالجہ اقوام اور طبایت عہد و ایام کے تمام سرائر و خفایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب و سنت اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کا حل اور ارواح و قلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے تو دورۂ آخر کے افاضل و اکابر علما میں صرف حضرت شیخ الہندؒ کی عظیم و مقدس روح تھی جو مولانا آزاد کے نزدیک اس منصب کی اہل اور اس معیار پر پوری اترتی تھی۔ مولانا آزاد نے آپ کی اسلامی غیرت، ملی حمیت، حق پرستی اور عزیمت دعوت کا نہایت شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس سوم لاہور ۱۹۲۱ء کے خطبۂ صدارت تحریری میں تمہیدی مباحث کے بعد فرماتے ہیں:

عظمتِ اسلاف کی آخری یادگار:

اس تمہید کے بیان کے بعد میں بالکل آمادہ تھا کہ مقاصد و مطالب کا سفر شروع کروں لیکن اچانک ایک غمگین حادثے کی یاد نے میرے قدم روک

؎ ترجمان القرآن۔ جلد سوم۔ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی ایڈیشن ص ۹ ۸-۲۸۸

دیے آپ کی اس جمعیت کا گذشتہ اجلاس مجمع علمائے ہند کے جس بزرگ و محترم وجود کی رہنمائی و صدارت میں منعقد ہوا تھا آج وہ ہم میں نظر نہیں آتا اور اس کی موجودگی کی برکتوں سے محروم ہو گئے ہیں میرا اشارہ حضرت مولانا محمود حسن رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی کی جانب ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ آج آپ میں سے ہر فرد کو ان کی یاد دعوتِ غم دے رہی ہو گی۔ ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے اور ہم سب کو ان کی یاد کی عزت میں چند لمحوں کے لیے رک جانا چاہیے۔"

"مولانا مرحوم ہندوستان کے گذشتہ دورِ علما کی آخری یادگار تھے۔ ان کی زندگی اس دورِ حرماں و فقدان میں علمائے حق کے اوصاف و خصائل کا بہترین نمونہ تھی۔ ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علمائے ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستر برس کی عمر میں جب ان کا فقدان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا، علین جوارِ حرم میں گرفتار کیے گئے اور کامل تین سال تک جزیرۂ مالٹا میں نظر بند رہے یہ مصیبت انھیں صرف اس لیے برداشت کرنی پڑی کہ اسلام اور ملت اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خداپرست دل صبر نہ کر سکا اور انھوں نے اعدائے حق کی مرضات و اہوا کی تسلیم و اطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا۔

فی الحقیقت انھوں نے علمائے حق و سلف کی سنت زندہ کر دی اور علمائے ہند کے لیے اپنی سنتِ حسنہ یادگار چھوڑ گئے۔ وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روحِ عمل موجود ہے اور اس کے لیے جسم کی طرح موت نہیں۔

وما دام ذکر العبد بالفضل باقیا
فذالك حی وهو فی التراب هالك[1]

---

[1] خطبات صدارت ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ایڈیشن، ص ۵۹، ۹۰

ہندوستان دارالحرب تھا

حضرت شیخ الہند کا ایک انگریز سے مکالمہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی مالٹا میں نظر بند تھے کہ گورنر یو پی مسٹر مسٹن کے سکریٹری مسٹر برن ہندوستان سے انگلستان جاتے ہوئے مالٹا میں رکے اور ہندوستانی اسیروں سے ملاقات کی۔ حضرت شیخ الہند سے ملاقات ہیں من جملہ اور باتوں کے نئی بات اس نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اور اس قسم کے سوال و جواب ہوئے۔

برن :- ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام ؟

حضرت مولانا :- علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔

برن :- آپ کی کیا رائے ہے ؟

حضرت مولانا :- میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں۔

برن :- (تعجب سے) یہ کیوں کر ہو سکتا ہے ؟

حضرت مولانا :- دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں۔ جن کے احکام جُدا جُدا ہیں۔ ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں، اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔

برن :- اس کی کچھ تفصیل ؟

حضرت مولانا :- دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں، جس میں کافروں کی حکومت

ہو اور وہ اس قدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں، جاری کریں۔

برن :- یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے۔

حضرت مولانا :- ہاں! اس لیے ہندوستان ضرور دار الحرب ہے۔

برن :- دوسرے معنی کیا ہیں؟

حضرت مولانا :- جس ملک میں اعلانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو۔ یہ وہ دار الحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ (اگر استطاعتِ اصلاح نہ ہو)۔

برن :- یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔

حضرت مولانا :- جس نے دار الحرب کہنے سے احتراز کیا، غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے۔

برن چپکا ہو گیا اور لکھ لیا۔

(ماخوذ از سفر نامۂ شیخ الہند از مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

حضرت شیخ الہند کے فتوے

فہرست

حضرت شیخ الہند کے فتوے

حضرت شیخ الہند کے آثار علمیہ کے عدم جمع وفراہمی میں موانع کے سلسلے میں مکاتیب شیخ الہند کے باب میں مختصراً اظہار خیال کر چکا ہوں۔ اس میں خاص فتویٰ نویسی کے لحاظ سے اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ دار العلوم میں مستقلاً دار الافتاء کے قیام سے پہلے فتوؤں کی نقول رکھنے کا کوئی اہتمام نہ تھا اور قیام دار الافتاء کے بعد بھی اس کا فوراً اہتمام نہ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس زمانے کے فتوے محفوظ نہ رہے اور فتوؤں کی فراہمی اور تدوین کی کوئی تحریک پیدا نہ ہو سکی۔ اس کی ایک وجہ مولانا سید اصغر حسین مرحوم نے بیان فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:

> "فتاویٰ حضرت مولانا کے بقید کتابت ضبط و مرتب نہیں ہو سکے کیوں کہ غایت تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اور دیگر مشاغل میں فرصت بھی نہیں ہوتی تھی۔"

مولانا سید اصغر حسین نے حضرت کی فتویٰ نویسی کو تین ادوار میں تقسیم فرمایا ہے:

۱ - دار العلوم میں باضابطہ دار الافتاء کے قیام سے پہلے جس قدر سوالات و استفتا دار العلوم میں اور خاص حضرت کے نام آتے تھے۔ وہ سب فارغ التحصیل اور ذی استعداد طلبہ لکھتے تھے۔

۲ - اور دار الافتاء قائم ہو جانے کے بعد حضرت مولانا کی خدمت میں آئے ہوئے تمام استفتاؤں کے جواب بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے تھے۔ اس لیے خود تحریر فرمانے کی نوبت نہ آتی اور اگر کبھی ضرورتاً لکھنے بھی تو فتوے کو صورت مراسلت و خط و کتابت میں بدل دیتے۔

۳ - جو خطوط صورت استفتا میں نہ ہوتے بلکہ شناسا خدام لوگ ضمنی معروضات میں مسائل بھی دریافت کر لیتے۔ ان کے جواب خود تحریر فرماتے تھے۔

۴۔ حضرت کی فتوی نویسی کی مولانا اصغر حسین مرحوم نے ایک صورت اور بھی فرمائی ہے یعنی املا یا ہدایت۔ فتوے کا لب لباب حضرت نے بتا دیا اور مآخذ و مراجع کی نشان دہی فرما دی صاحبِ استعداد حضرات نے آپ کی رہنمائی میں فتوی لکھ دیا مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

"بعض مدرسین اور فارغ التحصیل حضرات مشکل مسائل آپ سے زبانی دریافت کر کے فتوی تحریر کرتے۔ چناں چہ احقر راقم (مولانا سید اصغر حسین) کو بھی اپنے اخیر زمانۂ طالب علمی میں تحریر فتاوی کا شوق ہوا اور کتاب دیکھنے کی فرصت نہ تھی تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے صدہا مشکل مسائل دریافت کر کے مفصل لکھ دیتا"

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں:

"غرض ان تمام اقسام کے فتاوی حضرت مولانا (شیخ الہند) کے اگر شمار کیے جائیں تو ہزارہا ہو سکتے ہیں مگر مجموع و مکتوب نہ ہو سکے۔

دارالعلوم دیوبند سے جس قدر فتاوی جاتے تھے سب ہی پر حضرت کی تصدیق اور دستخط ہوتے تھے اور "الجواب صحیح" لکھ کر صرف "دیتدہ محمود عفاء اللہ عنہ" تحریر فرماتے تھے۔ عثمانی، چشتی، صابری، قاسمی وغیرہ پُر معنی القاب سے نام کی عظمت نہیں بڑھاتے تھے"

آخر دور میں چوں کہ حضرت کی شخصیت صرف دارالعلوم اور خاص حلقۂ معتقدین مخدوم و مطاع نہ رہی تھی بلکہ پورے ملک اور عالم اسلام کے محترم رہنما کے مقام پر فائز تھی اس لیے اطراف و اکناف سے حضرت کے نام جو استفسار آتے تھے ان کے جواب حضرت خود تحریر فرماتے تھے اس لیے کہ شائقین آپ کی تحریر کے سوا کسی اور کی تحریر سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ البتہ آخری ایام میں جب عوارض کے ہجوم نے آپ کو بہت مضمحل کر دیا تھا تو آپ کسی عزیز یا مخلص کو املا کرا دیتے تھے اور اپنے دستخط فرما دیتے تھے۔

مولانا سید اصغر حسین علیہ الرحمہ کے بیان سے حضرت کے اسم شریف کی مہر کے بارے میں بھی ہمارے علم میں مفید اضافہ ہوتا ہے۔ ان سطور کا مطالعہ بھی قارئین کرام

کی دل چسپی کا باعث ہوگا۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"ایک مخلص نے آپ کے نام نامی کی مہر بھی تیار کرا کر بھیج دی تھی جو نقرئی انگشتری کے حلقے میں لگی ہوئی کسی امین کے پاس محفوظ رہتی تھی اور کبھی شاذ و نادر کسی مہتم بالشان فتوے پر کسی شخص کی انتہائی آرزو کی وجہ سے نام کے نیچے ثبت کردی جاتی تھی۔ اس میں آپ کا یہ پسندیدہ و مقبول سجع یہ ترتیب مزین کندہ تھا:

"الٰہی عاقبت محمود گرداں" [۱]

حضرت شیخ الہند کے جو فتوے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان کی ترتیب یہ ہے:

۱- پہلا فتویٰ ترکوں کی امداد کا فتویٰ ہے جو ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے زمانے کا ہے۔ یہ حضرت کا بہت اہم فتویٰ ہے اس میں حضرت نے وقف کی زائد آمدنی کو ترکوں کی امداد میں صرف کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ چوں کہ اس فتویٰ پر ایک تمہیدی عبارت درج کردی گئی ہے اس لیے یہاں اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسرا فتویٰ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے جواب میں دیا گیا تھا یہ فتویٰ مسئلہ خلافت کے شرائط اور جزیرۃ العرب کے حدود کے بیان میں ہے۔ اصلی فتویٰ مولانا محمد ایوب فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے پورا مجموعہ فتاویٰ تو ایک کتاب ہے اس میں سے علمائے دیوبند کی تصویبات کا حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت شیخ الہند کی تصویب بھی ہے۔

۳- تیسرا فتویٰ دراصل حضرت کی وہ تقریر ہے جو مالٹا سے واپسی پر خلافت کمیٹی کے جلسے میں حضرت نے فرمائی تھی اور مولانا مفتی عزیز الرحمان مرحوم کی روایت کے مطابق مولانا شوکت علی نے مرتب کر کے مدینہ بجنور میں اشاعت کے لیے بھیج دی تھی۔ چوں کہ حضرت کی یہ تقریر نہایت جامع اور اصول فتویٰ نویسی کے معیار پر پوری اترتی تھی اور یقین ہے کہ حضرت کی نظر سے بھی گزر گئی ہوگی پھر اس کی مسلسل روایت و شہرت نے اسے درجہ استناد کو پہنچا دیا تھا اس لیے

---

[۱] حیات شیخ الہند۔ ص ۲۴۰، ۲۴۱

اس کے فتویٰ شرعی ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔ یہ فتویٰ تاریخی و سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے، اس کے بارے میں مولانا محمد میاں فرماتے ہیں، کہ یہی وہ فتویٰ ہے جو جمعیت علمائے ہند کے متفقہ فتوے کی صورت میں تقریباً پانچ سو علمائے وقت کے دستخطوں سے شائع ہوا تھا۔ (اسیران مالٹا۔ ص ۵۳)

۴۔ چوتھا فتویٰ علی گڑھ کالج خلافت کمیٹی کے استفسار کے جواب میں ہے۔ یہ بہت مختصر ہے اور چوں کہ اس میں اس مسئلے پر ایک جامع تحریر کی تیاری کی خبر دی گئی ہے اس لیے یہ محض ایک اصولی و مختصر جواب ہے۔

۵۔ علی گڑھ کالج خلافت کمیٹی کے جواب میں جس جامع تحریر کی تیاری کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ یہی فتویٰ ہے جو طلبائے علی گڑھ کالج کے ایک استفتا کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ یہ نہایت مفصل و مدلّل اور جامع فتویٰ ہے اور اس کے ایک ایک جملے میں دل سوزیِ ملت کوٹ کوٹ کر بھری ہے

۶۔ چھٹا فتویٰ مولانا عبد الماجد القادری بدایونی کے ایک استفتا کے جواب اور ترکِ موالات کے جواز میں ہے اور دلائل شرعیہ سے مزیّن۔ یہ فتویٰ صوبائی خلافت کمیٹی آگرہ و میرٹھ کے شعبہ تبلیغ کی طرف سے شائع کردہ فتوؤں کے ایک مختصر مجموعے سے ماخوذ ہے۔ یہ چاروں فتوے (نمبر ۳ تا ۶) انگریزوں سے ترک موالات کے جواز میں ہیں اور ان میں ان اعتراضات کا جواب بھی آجاتا ہے جو اس سلسلے میں بعض حضرات کی طرف سے کیے گئے تھے۔ ترک موالات ۱۹۲۰ء کا سب سے اہم ملی مسئلہ تھا۔

مسئلہ ہجرت کے ضمن میں دو تحریریں درج کی جاتی ہیں،

پہلی تحریر ملتان کے ایک صاحب کے جواب میں اور دوسری تحریر ڈیرہ اسماعیل خاں کے کسی خلیفہ صاحب کے نام ہے۔ دونوں تحریریں استفسارات کے محض عام اور سادہ جواب ہیں۔ یہ تحریریں اگرچہ فتوؤں کی خاص شکل میں نہیں لیکن مستفسرین نے حضرت سے چوں کہ شرعی حکم دریافت کیا تھا اور حضرت علیہ الرحمہ نے کامل دینی ذمہ داری کے ساتھ ان کا جواب دیا ہے۔ اس لیے ان دونوں جوابوں کو حضرت کے مکاتیب میں شامل کرنے کے بجائے فتوؤں میں شمار کیا ہے۔

لیکن اگر کسی محترم قاری کا ذوق اس سے تسکین نہ پاسکے تو وہ انھیں مکاتیب میں محسوس فرما سکتے ہیں۔

ان میں "م ن۔۔۔ از ملتان" کے استفسار کے جواب میں، جنھیں ان کے والدین کی طرف سے ہجرت کی اجازت نہیں مل رہی تھی، حضرت علیہ الرحمہ نے بڑی حکیمانہ بات فرمائی کہ وہ ہجرت کی نیت کے بجائے ملازمت کی نیت سے سفر کریں اور وہاں پہنچ کر جب تک چاہیں ملازمت کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کی خدمت بجا لاتے رہیں اور جب چاہیں واپس آجائیں۔

دوسری تحریر ڈیرہ اسماعیل خاں کے کسی خلیفہ کے جواب میں ہے۔ یہ تحریر سہ روزہ مدینہ بجنور بابت ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء کے حوالے سے مولانا مفتی عزیز الرحمن نے تذکرۂ شیخ الہند میں نقل کی ہے اور اخبار زمانہ کے حوالے سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے رسالہ ہجرت میں نقل کی گئی ہے۔ اس کے شروع میں مولانا فرنگی محلی کے قلم سے ایک طویل و مفید نوٹ بھی ہے۔ اس نوٹ میں نواب صدیق حسن خاں کی ایک اہم تحریر جو ہندوستان کے دار الحرب اور اس سے ہجرت کے وجوب و عدم وجوب کے سلسلے میں ہے، نقل کی ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی یہ دونوں تحریریں مسئلہ ہجرت پر جو ۱۹۲۰ء کے وسط میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا تھا، عام اظہار خیال ہے۔ ہجرت کے بارے میں حضرت نے کوئی ایسا حکم شرعی صادر نہیں فرمایا کہ ہندوستان کے ہر مسلمان کو ضرور ہجرت کرنی چاہیے۔ دین میں ہجرت کی شرعی حیثیت اپنی جگہ لیکن اس وقت کے حالات ایسے نہیں تھے کہ لا و نعم میں کوئی جواب دے دیا جاتا۔ حضرت نے اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کر دینے کے ساتھ اس کے مختلف پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ حالات کی روشنی میں ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے لیکن اس بات میں علماء کی منازعت کو حضرت نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔

اگر کوئی محترم قاری حضرت کی اس تحریر کو فتویٰ اور اسلام کا حکم شرعی سمجھتے ہوں تو انہیں اس بات کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ حضرت نے اس کا مشروط فتویٰ دیا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں،

"البتہ یہ ضرور ہے کہ اہل تحقیق کو چند جوانب ملحوظ رکھنا ضروری ہیں؛

اول۔ دارالحرب کہ جس سے ہجرت کریں، اس کو غور سے ملاحظہ کرنا۔

دوسرے۔ جس دارالاسلام میں جانا چاہتے ہوں، اس کے احوال پر نظر کرنا۔

تیسرے۔ جو مسلمان ہجرت کریں ان کے حالات کو پیش نظر رکھنا کیوں کہ حالات بے حد مختلف ہیں۔ ان شرائط کی تکمیل اور غور و فکر کے اطمینان بخش نتیجے اور حل پر ہجرت کے وجوب کا انحصار ہو گا۔

اس چیز کو بھی نظر انداز نہ کر دینا چاہیے کہ مسئلے کے مختلف جوانب پر غور و فکر اور اس کے نتیجے پر اطمینان یا عدم اطمینان کا فیصلہ کسی فرد واحد کے تنہا غور و فکر پر نہیں کیا جاسکتا۔ مسئلے کی اہمیت اور حالات کی پیچیدگی کا تقاضا تھا کہ اس بات کا فیصلہ اہل علم اور اصحاب نظر کی ایک جماعت کے سپرد ہو۔ پس اگر عامۂ مسلمین کی رہنمائی کے لیے کوئی بورڈ نہ بنا دیا گیا ہو اور نظم نہ قائم کر دیا گیا ہو اور ہجرت کا عمل اس نظم کے مطابق اور اس بورڈ کی رہنمائی میں انجام نہ پایا ہو تو اس غیر مرتب و غیر منظم عمل ہجرت کی کسی تباہی یا نقصان کی ذمہ داری صاحب تحریر و فتویٰ کی ذات گرامی پر عائد نہیں ہو سکتی۔

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے عمل ہجرت کے لیے جس نظم کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے اعمال ہجرت کی انجام دہی کے لیے جو نظام پیش کیا تھا۔ اس میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ ہر دو حضرات کے انداز فکر کی یکسانیت کی دلیل اور کمال بصیرت کا بڑا ثبوت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس مسئلے پر ہر دو حضرات کے تبادل خیالات نے دونوں کو ایک ہی صحیح نتیجے پر پہنچایا۔

حضرت نے اسی تحریر میں فرمایا ہے کہ یہ وقت کام کرنے کا ہے یہاں رہ کر کام کریں یا ہجرت کر کے باہر جا کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت بجالائیں۔ فرض یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی جان اور مال سے کوشش کرے۔ خواہ یہاں رہ کر یہ فرض انجام دیا جائے خواہ ہندوستان کے باہر جا کر۔ اصل چیز خدمت اسلام و مسلمین ہے اسے کسی وقت فراموش نہ کرنا چاہیے۔ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں؛

"۔۔۔۔ اللہ کے واسطے ہجرت کریں یا یہیں رہ کر کسی مفید کام میں سعی کریں۔ اس ضروری وقت کو فضول بحث و مباحثہ میں صرف نہ کریں۔

...ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق تائید دین کے لیے مال اور جان سے کوشش کرے۔ خواہ یہاں رہے خواہ باہر جاوے ---- اکابر اور عمائد اسلام پر علی الخصوص واجب ہے کہ خود ہمت کریں اور عوام کو ہمت بندھائیں اور جو شخص جس کام کے لائق ہو اُس کو اُس کام میں لگائیں اور بحث و اختلافات ------ سے بچیں اور دوسروں کو بچائیں ...."

آخر میں پھر تاکید فرمائی ہے:

"میں نے فقط یہ عرض کیا ہے کہ ہجرت فرض ہے یا مستحب! قابل غور بات ہے کہ ہم کو اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔"

حضرت کی یہ تحریر حکمت و موعظمت کا گنجینہ ہے۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہجرت کی اہمیت کے باب میں اور وقت کے احوال پر حضرت کی کیسی نظر تھی۔

یہ تمام فتوے اور تحریریں حضرت شیخ الہند کی سیاسی و دینی بصیرت پر دلیل، ملت کی خیر خواہی قومی ہمدردی، وطن کی آزادی سے عشق اور اسلامی غیرت و دینی حمیت کی مثال اور تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

حضرت کے ان فتوؤں اور تحریروں کی علمی لحاظ سے ایک خوبی یہ ہے کہ تاریخی اور شرعی دلائل سے مزین و مبرہن ہیں۔

تحریر کے اعجاز اور زبان کی سادگی اور صفائی میں بے مثال ہیں۔ چوں کہ یہ فتوے احکام شرعیہ کی وضاحت اور مسلمانوں کے رفع شکوک و اوہام اور ان کی تعلیم کے لیے لکھے تھے اس لیے ان کی تحریر نہ فقہی اصطلاحات سے بوجھل ہے نہ تعقید لفظی نے اسے فہم کے لیے مشکل بنایا ہے نہ جملوں میں افعال و ضمائر اور متعلقات کے تقدم و تاخر نے اس میں پیچیدگی پیدا کی ہے۔ حضرت جو بات سمجھانا چاہتے ہیں وہ ذہن نشین ہوتی چلی جاتی ہے۔ عبارت اتنی آسان اور ایسی رواں ہے کہ معمولی پڑھے لکھے قاری کی سمجھ میں بھی بہ آسانی آجاتی ہے۔

فتوؤں ہی کے باب میں مسلمانان میرٹھ کے سپاس نامے کا جواب اور اجلاس جمعیت علمائے ہند کلکتہ کے نام حضرت کا پیغام ہے چوں کہ ان میں بھی خدمتِ اسلام کے لیے

عزم و ترغیب کا مضمون آیا ہے اور وقت کے اہم مسئلہ خلافت اور ترک موالات کی تعلیم و تلقین ہے اس لیے ان کے اندراج کے لیے یہی مقام موزوں نظر آیا۔

اس باب کا آخری اندراج گاندھی ٹوپی کے بارے میں حضرت کا ایک جواب ہے۔ اس کے بارے میں ایک وضاحت ضروری تھی تاکہ قارئین کرام کو غلط فہمی نہ ہو۔ یہ وضاحت حضرت کے جواب کے ساتھ درج کردی گئی ہے۔

مسئلہ خلافت

(۱)

ترکوں کی امداد کا فتویٰ:

جنگ بلقان کے زمانے میں حضرت شیخ الہند کا کیا حال تھا؟ میاں سید اصغر حسین اور مفتی عزیز الرحمن، حضرت کے دونوں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ترکوں کی شکست کی خبر سنتے تو آپ کی ریش مبارک پر آنسو گرتے تھے۔ راتوں کو دعائیں مانگا کرتے۔ اگر کوئی دیکھے تو بالکل یہ حالت تھی کہ اگر حضرت کے بس میں ہوتا تو انگریزوں کو کچا چبا ڈالتے۔ پھر بھی جس قدر بس میں تھا کیا۔ مدرسے کی چھٹی کر دی، طلبہ و مدرسین کو شہر شہر اور گاؤں بھیجا، چندہ کیا، خود اپنی تنخواہ اور تمام ملازمین و مدرسین کی تنخواہیں چندے میں دیں۔ طلبہ نے آپ کے اشارے پر سالانہ امتحانات میں کامیابی پر ملنے والے انعامات اور مطبخ کی خوراک بھی چندے میں دے ڈالی۔ اس طرح اُس رقم کے علاوہ جو حضرت کی ترغیب و تحریک پر لوگوں نے خود اپنے ذرائع سے ترکی بھیج دی تھی، خاص دارالعلوم کے ذریعے سے تقریباً ایک لاکھ روپے بمبئی نیشنل بنک کی معرفت ترکی بھیجا۔ جس کے صلے میں ترکی حکومت نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور وہ رومال جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیراہن مبارک رکھا رہتا تھا، دارالعلوم کو بہ طور تبرک اور عطیہ بھیجا جو آج بھی دارالعلوم کے خزانے میں تبرکاً موجود ہے۔

انھی دنوں حضرت شیخ الہند نے ترکوں کی امداد کے لیے وقف کی زائد آمدنی کے استعمال کا فتویٰ دیا۔ اسی قسم کا ایک فتویٰ علامہ شبلی مرحوم نے بھی دیا تھا اور ان کے بعض صاحب قلم تلامذہ نے اُسے علامہ مرحوم کے ذوقِ فقہ اور فتویٰ نویسی میں بہت اچھالا۔ لیکن شاید انھوں نے حضرت شیخ الہند کے اس فتوے پر نظر نہیں ڈالی اور حضرت کے منتسبین حسنِ ذوق تصنیف و تالیف اور تشہیر کے فن سے آشنا نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً انھیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت کا یہ فتویٰ کمال تفقہ کی کیسی بے نظیر اور عمل میں سبقت بالخیرات کی کیا عمدہ مثال ہے۔

علامہ شبلی مرحوم ایک نہایت بلند نظر اور سیاسی شعور رکھنے والے بزرگ تھے لیکن عملی سیاست میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ حضرت شیخ الہند فکر اور عمل سیاسی دونوں میدانوں میں رہنمایانِ وقت کے سرخیل تھے۔ حضرت کے سیاسی شعور اور فکر کا پیمانہ نہ ہی بلند نہ تھا وہ میدانِ عمل کے بھی شہ سوار تھے۔ حضرتؒ کا یہ فتویٰ آپ کے فکر کی بلندی اور کمال تفقہ ہی کی دلیل نہیں آپ کے پختہ سیاسی شعور کا ثبوت بھی ہے۔ یہ ایک مجتہدانہ فتویٰ ہے اور اگرچہ یہ مفتی عزیز الرحمٰن کے قلم سے لکھا گیا اور مولانا محمد انور شاہ کاشمیری کے ساتھ حضرت نے اس پر دستخط فرمائے ہیں لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس فتوے میں رہنما حضرت ہی کا ذوق علمی تھا۔ فتویٰ یہ ہے:

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد ہے جس میں روپیہ وقف ہے اور اس وقف کی صورت یہ ہے کہ واقف نے ایک کمپنی میں کچھ حصے لے کر وقف کر دیے جس کی ماہوار آمدنی جمع ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ وہ اصل سے بڑھ گئی یا اس کے مساوی یا کم ہو ایسی حالت میں کہ خاص اس مسجد کو اور وہاں کی اور مساجد کو فی الحال ضرورت نہ ہو بلکہ آیندہ بھی کوئی ضرورت عرصۂ دراز تک معلوم نہیں ہوتی۔ اگر ان زائد حصص کو جو اصلی حصص سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ فروخت کر کے اس اہم کام یعنی معرکۂ بلقان کے ترکی مجروحین و یتیموں و بیوگان اور ترکی لشکر کی امداد میں صرف کیا جائے تو شرع محمدی میں جائز ہے یا نہیں۔ نیز مسجد کے نام کوئی خاص جائداد وقف نہیں بلکہ کمپنی کے وہ حصص جو مشترک ہوتے ہیں فی الحال جو روپیہ آمدنی ہے اس مد میں جائز ہے یا جو اصل وقف کی آمدنی سے خریدے گئے ہیں ان کو فروخت کر کے اس مد میں دینا جائز ہے یا دونوں صورتیں جائز یا ناجائز ہیں فقط۔ بینوا و توجروا۔

الجواب:

صورتِ مسئلہ میں زائد آمدنی وقف مذکور کی امداد مجروحین و یتامیٰ جنگ مذکور میں صرف کرنا شرعاً درست اور جائز ہے اور ان حصص کو جو بعد میں آمدنی موقوفہ سے خریدے گئے ہیں فروخت کرنا اور چندہ ہلال احمر میں صرف کرنا بھی درست ہے۔ روایاتِ حدیثیہ

وقفہ اس بارے میں منقول ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدنی اوقاف مساجد سے جو کچھ نوائب مسلمین و محاربات میں صرف کیا جائے وہ بطریق قرض ہونا چاہیے اور بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون قید قرض کے درست ہے پس جب کہ آمدنی اس قدر روپیہ وقف مذکور سے جمع ہے کہ اس مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہے اور نہ آیندہ کو ضرورت معلوم ہوتی ہے اور امداد مجروحین کی ضرورت اس وقت جس قدر اہم اور لابد ہے وہ مخفی نہیں ایسی حالت میں بدوں اس کے کہ رقم خرچ کردہ شدہ کو قرض سمجھا جائے۔ آمدنی مذکور کو امدادِ مجروحین جنگِ ترک میں خرچ کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

ولو اجتمع مال الوقف ثم نابت نائبة من الکفرة فاحتیج الی مال لدفع شرهم قال الشیخ الامام (محمد بن فضل) ما کان من غلیة وقف المسجد الجامع یجوز للحاکم ان یعرفه الی ذلك علی وجه القرض اذا لم تکن حاجة للمسجد الیه وعن ابی وائل قال جلست مع شیبة علی الکرسی فی الکعبة فقال لقد جلس هذا المجلس عمر فقال لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء و بیضاء الا قسمته قلت ان صاحبیك لم یفعلا فقال هما المرءان اقتدی بهما (بخاری شریف ص ۲۱۷ ج ۱)

وقال ابن الصلاح الامر فیها (ای فی کسوة الکعبة) الی الامام یصرفه فی مصارف بیت المال بیعاً وعطاء واحتج بما ذکره الازرقی ان عمر کان ینزع کسوة الکعبة کل سنة فیقسمها علی الحجاج (عمدة القاری ص ۲۴۳ ج ۴)

حموی حاشیہ اشباہ میں ہے۔

لا یصرف القاضی الفاضل من وقف المسجد الی قوله قیل بعادته ما فی فتاوی قاضی خان فی ان الناظر له صرف فاضل الوقف الی جهات البر بحسب ما یراه الخ۔ القاعدة الخامسة عن الفن الاول المجلد الاول ص ۱۶۰ مصری۔

ان عبارات سے واضح ہے کہ ضرورت موجودہ یعنی امداد مجروحین و تیامیٰ جنگ

مُترک ہیں وہ آمدنی زائد اوقاف مسجد کی جس کی ضرورت مسجد کو نہ فی الحال ہے نہ آیندہ منطنون ہے صرف کرنا جائز ہے۔ اور جن فقہا نے یہ قید لگائی ہے کہ نوائب میں قرضاً دیا جائے اس کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی وقت اس مسجد کو کچھ ضرورت پیش آئے تو وہ روپیہ واپس لے کر اس میں صرف کیا جائے لیکن جب کہ آمدنی ان اوقاف کی ہمیشہ اس قدر ہوتی رہتی ہے کہ اگر بالفرض آیندہ کو کوئی حاجت مسجد کو پیش آوے تو آمدنی آیندہ کی اس کے لیے کافی ہے تو پھر اس رقم خرچ کردہ شدہ کو قرض رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جیساکہ بخاری وعمدۃ القاری وعبارات حموی کا منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمود عفی عنہ
(شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ)

الجواب صحیح
محمد انور عفا اللہ عنہ
(مدرس دار العلوم دیوبند)

(۲)

مسئلہ خلافت، فتویٰ بہ جواب مولانا عبد الباری فرنگی محلی:

حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مسئلہ خلافت کے مختلف پہلوؤں پر ایک استفتاء مرتب فرمایا تھا اور ہندوستان پاکستان کے علما کے جوابات کا ایک مجموعہ چھاپا تھا۔ انہیں دنوں حضرت شیخ الہند اسارتِ مالٹا سے رہائی پاکر مراجعت فرمائے وطن ہوئے تھے۔ مولانا فرنگی محلی نے علمائے دیوبند سے فتویٰ حاصل کرکے بھی اس میں شامل کیا، حضرت نے اس فتوے پر نہ صرف دستخط فرمائے بلکہ اپنے قلم سے ایک جملہ لکھ کر جواب استفتا کی تصویب بھی فرمائی یہاں صرف مولانا فرنگی محلی کا استفتاء، مولانا محمد ایوب فرنگی محلی کا جواب اور علمائے دیوبند بہ شمولِ حضرت شیخ الہند کی تصویب شامل کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(۱) امت محمدی پر نصب امام جس کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہتے ہیں واجب ہے یا نہیں اور اگر واجب ہے اور امت نے کسی کو خلیفہ مان لیا ہے اگرچہ وہ قریشی نہ

ہو تو وہ خلیفہ ہو سکتا ہے یا نہیں بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ قریشی ذی اقتدار اور مستقل قوت والا نہ ہو اور اگر غیر قریشی خلیفہ ہو گیا تو اُس کی بغاوت قریشی کر سکتا ہے یا نہیں اس کر کے ایسی صورت میں جب کہ اس بغاوت سے ظن غالب ہو کہ بلاد اسلامیہ پر کفار کا تسلط ہو جائے گا اور یہ قریشی بھی بدوں استعانت کفار کے قہر و غلبہ خلیفہ پر حاصل نہیں کر سکتا ہے جس سے یقینی استیلائے کفار مقامات مقدسہ اور بلاد اسلامیہ پر متصور ہے اور اس بغاوت سے فتنہ و فساد قتل وغارت اہل اسلام میں لازم آتا ہے اور اگر کوئی قریشی اس طرح بغاوت کرے تو امت کو اُس کی تائید جائز ہے یا حرام ہے اور ایسے باغی کی شرعاً کیا سزا ہے اگر مسلمان صلح کرانے کی کوشش کریں اور باغی کو مطیع بنانے کی فکر نکالیں تو یہ ان کا حکم مذہبی ہے یا نہیں پھر ایک خلیفہ وفات کر جائے اور اس کا ولی عہد خلیفہ ہو تو اس کی اطاعت بھی اسی طرح لازم اور واجب ہے یا نہیں جس طرح کہ خلیفۂ اوّل کی تھی اور اس باغی کو اُس سے صلح کرنا اور اس کی اطاعت کرنا اور اس میں مسلمانوں کو سعی کرنا لازم ہے یا نہیں اور حرمین جس پر پہلے بھی تسلط خلیفہ کو تھا خلیفہ کو لازم ہے کہ پھر اس کے اوپر تسلط قائم کرے اور اُس سے باغی کو نکالے یا اُس سے مصالحت کرے اور اُس مدت تک جب تک کہ اُس باغی کا استیصال حرمین سے نہیں کر سکتا قابض نہ رہنا خلیفہ کا مخل خلافت ہے یا نہیں خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اُس باغی کے توسط سے استیلائے کفار ارض مقدس میں مظنون ہے اور مسلمانوں کو اس امر میں خلیفہ کی تائید کرنی ضروری ہے یا نہیں جب کہ وہ بدوں استعانت مسلمانوں کے تحفظ دار اسلام کا اور تسلط حرمین پر نہیں کر سکتا ہے اور خلیفہ حاجت مند اعانت کا ہے۔

(۲) سرزمین عرب جس کی حرمت شرعاً لازم ہے کیا ہے اور کہاں تک ہے؟

(۳) اگر غیر مسلم ممالک اسلامیہ پر حملہ آور ہوں اور وہاں کے لوگ اُن کے دفاع کی قدرت نہ رکھیں یا دفاع نہ کریں تو اُس ملک سے متصل جو مسلمان رہتے ہیں اُن پر دفاع واجب ہو جاتا ہے یا نہیں ایسے ہی اگر وہ ملک بھی قصور کرے تو اسی طرح درجہ بدرجہ شرقاً و غرباً کافۂ اہل اسلام کو دفاع واجب ہوتا ہے یا نہیں بیّنوا توجروا۔

المستفتی فقیر محمد قیام الدین عبد الباری عفا اللہ عنہ فرنگی محلی

هُوَالْمُصَوِّبُ

(۱) نصب امام امت محمدی پر واجب ہے جیساکہ درمختار میں ہے ونصبه اهم الواجبات فلذا اقدموہ علی دفن صاحب المعجزات صلی اللہ علیہ وسلم "اور امام کا مقر کرنا اہم واجبات سے ہے اسی وجہ سے صاحب معجزات صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر صحابہ نے اس کو مقدم کیا" اور شرح مقاصد میں ہے نصب الامام بعد انقراض زمن النبوۃ واجب علینا سمعًا عند اهل السنۃ "زمانہ نبوت کے ختم ہوجا کے بعد اہل سنت کے نزدیک امام کا مقرر کرنا ہمارے اوپر سمعًا واجب ہے" اور شرح مواقف میں ہے نصب الامام عندنا واجب علینا سمعًا "ہمارے نزدیک امام کا مقرر کرنا ہمارے اوپر سمعًا واجب ہے" اور حدیث من مات بلا امام مات میتة الجاهلیة "جو شخص بلا امام کے مرا وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرا" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور اسی پر الی عصرنا ہذا عمل امت بھی ہے بل علیه اجماع الصحابة ومن بعدهم من امة صلی اللہ علیه وسلم (بلکہ اسی پر صحابہ کا اور ان لوگوں کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے صحابہ کے بعد ہوئے ہیں اجماع ہے) اور جب امت نے کسی شخص غیر قریشی کو جو جامع الشرائط نہ ہو خلیفہ مان لیا ہے تو وہ خلیفہ ہو جائے گا جیساکہ شرح مواقف میں ہے لکن للامة ان ینصبوا فاقدہ (لیکن امت فاقد الشروط کو امام بنا سکتی ہے) اور خاص کر جب کہ قریشی ذی اقتدار اور قوت والا نہ ہو یا قریشی کی وجہ سے استیلاء کفار ممالک اسلامیہ خصوصًا مقامات مقدسہ پر ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت غیر قرشی ہی متعین ہو جاتا ہے جیساکہ شرح مقاصد میں ہے۔

واما اذا لم یوجد من قریش من یصلح لذلک اولم یقتدر علی نصبه لاستیلاء اهل الباطل وشوکة الظلمة وارباب الضلالة فلا کلام فی جواز تقلد القضاء	(اور جب کوئی قریشی ایسا نہ پایا جائے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہو یا گمراہوں اور ظالموں اور اہل باطل کے غلبہ کی وجہ سے اس کے مقرر کرنے پر قدرت نہ ہو تو پھر صاحب اقتدار سے تقلید قضا اور تنفیذ

وتنفيذ الاحکام واقامة الحدود وجميع ما يتعلق بالامام من کل ذی شوکة۔ (احکام اور اقامت حدود اور تمام اُن امور کے جواز میں جو امام سے تعلق رکھتے ہیں کوئی شک نہیں ہے)

اور خلیفہ جس کو اُمت نے تسلیم کر لیا ہو اس کی بغاوت کرنا جائز نہیں اور خاص کر ایسی حالت میں جب کہ اس بغاوت سے اثارۂ فتنہ وقتال بین المسلمین اور استیلائے کفار ممالک اسلامیہ پر رچاہے بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو) ہو جانے کا اندیشہ ہو جیسا کہ شرح مشکوٰۃ للقاری میں ہے واما الخروج علیهم وقتالهم فمحرم وان کانوا فسقة ظالمین۔ (اور لیکن اُن پر خروج اور اُن سے قتال پس حرام ہے اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہوں) اور نہ کسی شخص کو ایسے باغی کی خواہ وہ قریشی ہی کیوں نہ ہو مدد کرنا بنصِ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (گناہ اور حد سے بڑھی ہوئی بات پر اعانت نہ کرو) جائز ہے اور ایسی بغاوت کی صورتوں میں اہل اسلام پر ضروری ہے کہ کوشش مصالحت فیما بین کریں کہ وہ اس کے مامور ہیں بنصِ فاصلحوا بین اخویکم (پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو) اور اگر وہ باغی نہ مانے تو اُس کو قتل کر دینا چاہیے جیسا کہ فان بغت احدٰهما علی الاخری الاٰیة (پس اگر ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے الخ) اور اذا بویع بالخلیفتین فاقتلوا اٰخرهما (جب دو خلفا کی بیعت کی جائے تو بعد والے خلیفہ کو قتل کر دو) سے ظاہر ہے اور ولی عہد کے واسطے بعد موت خلیفہ وہی احکام ہیں جو خلیفہ کے ہیں اُس کی اطاعت واجب اور خروج اُس پر ناجائز ہے جیسا کہ شرح مقاصد میں تحت قول و تنعقد الامامة بطرق (اور امامت چند طریقوں سے منعقد ہوتی ہے) ہے والثانی استخلاف الامام وعهده وجعله الامر شوریٰ بمنزلة الاستخلاف الا ان المستخلف غیر متعین فیتشاورون ویتفقون علی احد هم واذا خلع الامام نفسه کان کموته فینتقل الامر الی ولی العهد اور دوسرا طریقہ خود امام کا کسی کو خلیفہ بنا دینا اور اس کو اپنے بعد کے لیے مقرر کر دینا ہے اور معاملے کو مشورے پر چھوڑ دینا خلیفہ بنا دینے کے حکم میں ہے مگر یہ کہ جس کو خلیفہ بنانا ہے وہ متعین نہ ہو گا پس اہلِ شوریٰ مشورہ کریں گے اور کسی پر اتفاق کر لیں گے اور جب امام خود اپنے کو معزول کر دے تو یہ اس کی موت کے حکم میں ہو گا پس امر خلافت ولی عہد کی طرف منتقل ہو جائے

گا،، اور اسی طرح مولانا بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عزنسکہ والیِ ملک اگر احدے را قائم مقام و ولی عہد خود
عرضکہ والی ملک اگر کسی کو اپنا قائم مقام اور ولی عہد کردے چاہے
کند خواہ پسر باشد و یا غیر آں ولی عہد والیِ ملک میگردد و
وہ اس کا لڑکا ہو یا کوئی اور تو وہ ولی عہد والیِ ملک ہو جاے گا اور اس
اطاعت وے لازم میگردد و بر ہمیں حکم توارث از خلفاے راشدین واقع
کی اطاعت لازم ہو گی اور اسی حکم پر خلفاے راشدین سے توارث واقع ہے

اس کے بعد توارث ثابت کرکے تحریر فرمایا ہے:

و ہر سلطانیکہ می مرد و وصیت میکرد یکی را بقیام مقام خود
اور جو سلطان مرتا ہے اور کسی کے لیے اپنی قائم مقامی کی
آن کس خلیفہ و سلطان می شد و ہمہ کسان در طاعت
وصیت کرتا ہے تو وہ قائم مقام اور سلطان ہو جاتا ہے اور سب
وے می شدند و کسی کہ از اطاعت وے خارج شد حکم
لوگ اُس کے مطیع ہو جاتے ہیں اور جو اُس کی اطاعت سے نکلتا ہے اس کے
حبس و قتل وے میکردند و برین بود اتفاق علماے کرام
حبس اور قتل کا حکم دیا جاتا ہے اور اس قوم پر علماے کرام کا اتفاق ہے

اور باغی سے ممالک اسلامیہ کا نکالنا اور اُس کا دفع کرنا خاص کر جب کہ اُس کی وجہ سے استیلاءِ کفار کا خوف ہو ضروری ہے جیسا آیات و حدیث بالا سے معلوم ہوا ہے اور اس میں مسلمانوں کو بقدر وسعت اعانت کرنا ضروری ہے۔ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا (مشرکین یقیناً نجس ہیں پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اور اُخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب (نکال دو مشرکین کو جزیرۂ عرب سے) خاص کر بلادِ مقدسہ سے ایسے استیلاء کے دفعیہ کا حکم کرتے ہیں۔ اور ہدایہ میں ہے فان ھجم العدو علی بلد وجب علی جمیع الناس الدفع یخرج المرءۃ بغیر اذن زوجھا والعبد بغیر اذن المولی فانہ صار فرض عین (جب دشمن کسی شہر پر ہجوم کرے تو تمام لوگوں پر دفاع واجب ہے عورت

بلا اجازت اپنے شوہر کے اور غلام بلا اجازت اپنے آقا کے نکل کھڑا ہو کیوں کہ دفاع اس وقت فرض عین ہو گیا) اور فتح القدیر میں ہے سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً "عام اس سے کہ (دفاع کے لیے) کوچ کرانے والا عادل ہو یا فاسق" اور در مختار میں ہے ویقبل خبر المستنفر و منادی السلطان ولو فاسقاً "اور (دفاع کے لیے) کوچ کرانے والے اور منادی سلطانی کی خبر قبول کر لی جائے گی اگرچہ وہ فاسق ہو" اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسی صورت میں امام کی مدد کریں جیسا کہ در مختار اور شامی میں بحوالۂ جامع الفصولین تحریر ہے:

ان المسلمین اذا اجتمعوا علی امام وصاروا امنین به فخرج علیه طائفة من المؤمنین فان فعلوا ذلك لظلم ظلمهم به فهم لیسوا من اهل البغی وعلیه ان یترك الظلم و ینصفهم ولا ینبغی الناس ان یعینوا الامام علیهم لان فیه اعانة علی الظلم ولا ان یعینوا تلك الطائفة علی الامام ایضا لان فیه اعانة علی خروجهم علی الامام وان لم یکن ذلك لظلم ظلمهم ولکن لدعوی الحق والولایة فقالوا الحق معنا فهم اهل البغی فعلی کل من یقوی علی القتال ان ینصر امام المسلمین علی هؤلاء الخارجین لانهم ملعونون علی لسان صاحب الشرع صلی الله علیه وسلم۔

(جب مسلمان کسی امام پر متفق ہو جائیں اور اس کے امن و امان میں ہو جائیں پھر مسلمانوں کا کوئی گروہ اس پر خروج کرے تو یہ خروج اگر ان لوگوں پر اس کے ظلم کی وجہ سے ہے تو وہ باغیوں میں سے نہ ہوں گے اور امام پر ظلم کا ترک کرنا اور ان میں انصاف کرنا لازم ہوگا اور دوسرے لوگوں کو نہ تو ان کے مقابلے میں امام کی اعانت کرنا چاہیے کیوں کہ یہ ظلم کی اعانت ہوگی اور نہ امام کے مقابلے میں ان لوگوں کی اعانت کرنا چاہیے کیوں کہ یہ امام پر ان کے خروج کی اعانت ہوگی اگر یہ خروج اس کے ظلم کی وجہ سے نہ ہو بلکہ حق اور ولایت کے دعوے کے لیے ہو کہ وہ کہیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے تو وہ لوگ باغیوں میں سے ہوں گے پس ہر اس شخص پر جو قتال پر قدرت رکھتا ہے لازم ہوگا کہ ان خارجین کے مقابلے میں مسلمانوں کے امام کی مدد کریں کیوں کہ ایسے

خارجین صاحب الشرع کی زبان پر ملعون ہیں) اور خلیفہ کے قبضے میں جس زمانے میں حرمین شریفین نہیں رہے اُس زمانے میں بھی اُس کی خلافت میں کوئی نقص نہیں ہوا خود حضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا قبضہ ایک زمانے تک مکہ مکرمہ پر نہیں ہوا۔ اور خلیفہ رابع رضی اللہ عنہ کا قبضہ بھی بعد قتال معاویہ رضی اللہ عنہ ثبوت تک نہیں پہنچا اور نہ حرمین کا قبضہ شرائط خلافت میں کسی گروہ کے نزدیک معتبر ہے کما ہو ظاہر من الکتب الکلامیۃ والفقہیۃ۔ اور خلفاے بنی عباس میں سے بہتوں کا قبضہ حرمین پر نہ تھا لیکن باتفاق الامۃ وہ خلیفہ تھے واللہ اعلم بالصواب

(۲) جزیرۃ العرب وہ سرزمین ہے جو بحر ہند، بحر احمر، بحر شام اور دجلہ و فرات سے محدود ہے۔ شرح مشکوۃ ملا علی قاری میں ہے:

فی النہایۃ الجزیرۃ موضع من الارض وھو ما بین حفر ابی موسیٰ الاشعری الی اقصی الیمن فی الطول و ما بین رمل مزن الی منقطع السماوۃ فی العرض قالہ ابوعبیدۃ وقال الاصمعی من اقصی عدن ابین الی ریف العراق طولا ومن جدۃ وساحل البحر الی اطراف الشام عرضا وقال الزہری سمیت جزیرۃ لان بحر الفارس وبحر السودان احاطا بجانبیھا واحاطہ بالجانب الشمالی دجلۃ والفرات وعن مالک ان جزیرۃ العرب مکۃ والمدینۃ والیمامۃ و فی القاموس جزیرۃ العرب ما احاطیہ بحر الھند وبحر الشام ثم دجلۃ والفرات۔

نہایہ میں ہے کہ جزیرہ (عرب) زمین کا ایک حصہ ہے اور وہ طول میں حفر ابو موسیٰ اشعری سے لے کر اقصاے یمن تک اور عرض میں رمل مزن سے لے کر منقطع سماوۃ تک ہے ابو عبیدہ اس کے قائل ہیں اصمعی کہتے ہیں کہ وہ طول میں اقصاے عدن ابین سے لے کر ریف العراق تک اور عرض میں جدہ اور ساحل بحر سے کر اطراف شام تک ہے اور زہری کہتے ہیں کہ اس کو جزیرہ اس وجہ سے کہتے کہ دو طرف بحر فارس اور بحر سودان اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور شمال کی طرف دجلہ و فرات، اور امام مالک سے مروی ہے کہ جزیرۃ العرب مکہ اور مدینہ اور یمامہ ہے اور قاموس میں ہے جزیرۃ العرب وہ ہے جس کو بحر ہند بحر شام پھر دجلہ و فرات گھیرے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ اسی کتاب میں ہے

وقال الکرمانی جزیرۃ العرب ھی مابین عدن الی ریف العراق طولا ومن جدۃ الی الشام عرضاً واللہ اعلم بالصواب [۱]	اور کرمانی کہتے ہیں کہ جزیرہ عرب وہ ہے جو طول میں عدن سے لے کر ریف العراق تک اور عرض میں جدہ سے لے کر شام تک ہے۔

(۳) بلاشبہ ایسی صورت میں وہ اہل اسلام جو قریب ان مقامات سے ہوں اُن پر دفاع ضروری ہے اور اگر وہ نہ کریں خواہ کسی وجہ سے ہو درجہ بدرجہ شرقاً وغرباً عامۂ اہل اسلام قادرین پر دفاع کرنا واجب ہے جیسا کہ اوپر کی عبارات سے معلوم ہوا ہے اور عنایہ شرح ہدایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے۔

اذا جاء النفیر انما یصیر فرض	جب نفیر ہو تو اُن لوگوں پر جو دشمن سے

---

[۱] شاہجہان پور میں خاکسار کے عزیزوں میں ایک بزرگ مولانا ریاست علی خاں تھے۔ مسلکاً روایت پرست اور بدعت نواز۔ اعلیٰ حضرت بریلوی مولانا احمد رضا خاںؒ سے خاص عقیدت اور تعلق رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت اور مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی کے مابین جو مشہور مراسلت ہوئی اور رسالہ الطاری الداری برہفوات عبد الباری" کے نام سے انجمن رضائے مصطفیٰ بریلی سے تین حصوں میں شائع ہوئی ہے اس میں واسطے کی کڑی ہمارے یہی بزرگ مولانا ریاست علی خاں مرحوم تھے۔ مولانا مرحوم نے اس فتوے کے اسی مقام پر "الجواب صحیح۔ العبد محمد ریاست علی عفی عنہ" لکھ کر اپنی مہر ثبت کی ہے۔ مرحوم کے اس عمل نے فیصلہ کر دیا کہ وہ قیام خلافت کے اصول اور جزیرۃ العرب کے حدود کے تعین کی علمی بحث میں مفتی مولانا محمد ایوب فرنگی محلی سے متفق ہیں لیکن عمر جہاں سے ترکی خلافت کے دفاع اور تحفظ و استحکام کی اسلامی ذمہ داری شروع ہوتی ہے اس کی سعادتوں میں مولانا مرحوم کے لیے کوئی حصہ نہیں۔ حالانکہ ترکوں سے عملی ہمدردی اور واقعی سعی و اقدام کی منزل اسی زبانی اور قلمی حمایت سے بہت دور تھی۔ لیکن مولانا مرحوم کا ذوق تن آسانی اسی مقام سے واویلا و واحسرتا کی صدائے درد انگیز بلند کرنے لگا تھا۔ رحمت کے ایثار اور وقت و مال کی قربانی میں اگر کچھ حصہ تھا تو علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث کی ایک جماعت کا تھا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا	ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اللّٰھم اغفر لہٗ

عاین علی من یقرب من العدو فاما من وراء ھم ببعد من العدو فھو فرض کفایۃ علیھم حتی یسعھم ترکہ اذا لم یحتج الیھم فان احتیج الیھم بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومۃ مع العدوا ولم یعجزوا عنھا لکنھم تکاسلوا ولم یجاھدوا فانہ یفترض علی من یلیھم فرض عین کالصلوۃ والصوم لا یسعھم ترکہ ثم وثم الی ان یفترض علی جمیع اھل الاسلام شرقاً وغرباً علی ھذا التدریج ھکذا فی رد المختار واللہ اعلم بالصواب۔

قریب ہیں فرض عین ہو جائے گا۔ اور جو اُن کے بعد اور دشمن سے دور ہیں اُن پر فرض کفایہ ہوگا کہ اگر اُن کی احتیاج نہ ہو تو اُسے وہ چھوڑ سکتے ہیں اور اگر ان کی احتیاج ہو اس طرح کہ جو لوگ دشمن سے قریب ہیں وہ دشمن سے مقابلہ کرنے میں عاجز ہوں یا عاجز تو نہ ہوں مگر کاہلی کریں اور جہاد نہ کریں تو مثل نماز و روزہ کے فرض عین ہو جائے گا پہلے اُن لوگوں پر جو اُن (عاجزین یا کاہلین) کے متصل رہتے ہوں پھر اُن کے بعد والوں پر پھر ان کے بعد والوں پر اسی طرح برابر یہاں تک کہ جمیع اہل اسلام پر شرقاً غرباً درجہ بدرجہ فرض ہو جائے گا۔

حررہ الفقیر محمد ایوب غفرلہ الذنوب حفید مولانا محمد عبدالحی الفرنجی محلی رحمتہ اللہ علیہ [مہر]

قد صح الجواب واللہ تعالیٰ علم واحکم بالصواب حررہ العاصی محمد عبدالعزیز غفر اللہ تقدس ذنوبہ وستر عیوبہ

[مہر]

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ الباری محمد عبدالہادی الانصاری سقاہ اللہ کاسامن معین عشقہ الساری حفید العلامۃ مولانا محمد معین اسکنہ اللہ فی اعلی علیین

[مہر]

علماے دیوبند کے جوابات

الجواب:

نصب خلیفہ کا امت محمدیہ پر واجب ہے اور اہم واجبات ہے اور کسی حال میں اس فریضہ سے سبکدوشی نہیں۔ غیر قرشی کو اگر امت نے خلیفہ مان لیا

جیسے آل عثمان کو کئی صدی سے مان لیا ہے سو وہ بھی خلیفہ صحیح ہو جاتا ہے اور اطاعت اس کی فرض اور خروج اس پر حرام ہے۔ بالخصوص جب اس خروج سے بلادِ مسلمین پر استیلائے کفار اور قتل و نہب مسلمین لازم ہو جب تو حرام علیٰ حرام ہے۔ ولی عہد بھی بعد اخذ عہد کے خلیفہ ہے۔ اور اس کے بھی وہی احکام ہیں جو اصل کے ہیں۔ اہل عدل کو واجب ہے کہ اہل بغی کو خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں۔

(۲) حکم مذکور ارض عرب و غیر عرب دونوں کو حاوی ہے۔ البتہ جزیرۂ عرب سے اخراج کفار مسئلہ مستانفہ ہے

(۳) اگر بلادِ مسلمین پر کفار چڑھ آئیں تو حاضرین پر دفاع فرض ہو جاتا ہے اگر وہ کافی نہ ہوں تو اَلْاَقرب فَالْاَقرب کا فۂ مسلمین پر مدافعت فرض ہے اور فرض عین ہے

واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح، محمد طیب عفا اللہ عنہ۔

الجواب صواب، عبد الوحید عفی عنہ خادم دار العلوم دیوبند ضلع سہارن پور

الجواب صحیح، محمد اعزاز علی غفرلہ

الجواب حق صحیح، عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند ۱۲۔ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

الجواب صحیح، احمد شبیر عفی عنہ

الجواب صحیح، محمد یٰسین عفی عنہ مدرس مدرسۂ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح، منظور احمد مدرس ریاضی دار العلوم دیوبند

الجواب صواب بلاریب۔ احقر الزمن نبیہ حسن مدرس مدرسۂ عربیہ دیوبند

ھٰذا ھو الحق، محمد ادریس کاندھلوی مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب حق، لاریب فیہ۔ اور جزیرۃ العرب کے حدود وہی ہیں جو مولانا محمد انور صاحب نے اپنے فتوے میں کتابوں سے نقل فرمایا۔ العبد محمود حسن عفی عنہ دیوبندی۔

اَصابَ من اجابَ وللہ درّ المجیب محمد مبین خطیب دیوبندی۔

الجواب صواب محمد ناظر حسن نعمانی نقشبندی

ترک موالات

(۱) فتویٰ بہ جواب مرکز خلافت کمیٹی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قال اللہ تعالیٰ :۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ۚ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۔ (اور آپس میں اختلاف نہ ہونے دو کہ بزدل ہو جاؤ۔ اور تمہاری ہوا بگڑ جائے۔ تم کو نہایت صبر سے کام لینا چاہیے۔ کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (اور تم کو نیکی اور تقویٰ کی معاونت کرنی چاہیے۔ اور گناہوں اور زیادتیوں کی معاونت مت کرو۔) (۵:۲)

کفار کی موالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فانه منهم ان الله لايهدی القوم الظالمين ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (اور جس نے ان کی دوستی اور معاونت باقی رکھی وہ شخص بھی ان ہی میں سے شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا) ؎

لڑپڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف ٭ آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو

اَمَّا بَعْدُ ۔ آج جب کہ شرق و غرب کے مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ جب کہ اندیشہ ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا جہاز اُمنڈتے ہوئے طوفان کی موجوں سے ٹکرا کر (خدا نہ کردہ) پاش پاش ہو جائے۔ جب کہ ہر فرد مسلم کی رُوح، موت کی دھمکیاں دینے والے حوادث سے لرز رہی ہے۔ بلکہ اگر عاقبت بینی سے کام لیا جائے تو ہر ایک ایشیائی اور خصوصاً ہر ایک ہندوستانی اپنی اخلاقی جرأت اور آزادانہ مستقبل کو سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے علماء ہند کی تعداد کثیر اور ہندو ماہرین سیاست کا بہت بڑا طبقہ اس جد وجہد میں ہے کہ اپنے جائز حقوق اور واجبی مطالبات کو پامال ہونے سے بچائے۔ کامیابی تو ہر وقت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جو فرض شرعی، قومی اور وطنی حیثیت سے کسی شخص پر عائد ہوتا ہے۔ تو اس کے ادا کرنے میں ذرہ بھر تاخیر کرنا ایک خطرناک جرم ہے۔ میں اصل فطرت سے کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ اور جیسا کہ میری طویل زندگی شاہد ہے؛

میرا مطمع نظر ہمیشہ مذہب رہا ہے۔ اور یہی وہ مطمع نظر ہے۔ جس نے مجھے ہندوستان سے مالٹا اور مالٹا سے پھر ہندوستان پہنچایا۔ پس میں ایک لمحہ کے لیے کسی ایسی تحریک سے اپنے کو علیٰحدہ نہیں پاتا۔ جس کا تعلق تمام جماعت اسلام کی فوز و فلاح سے ہو یا دشمنان اسلام کے حربوں کے جواب میں حفاظت خود اختیاری کے طور پر استعمال کی گئی ہو۔ مالٹا سے واپس آکر مجھ کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے ارباب بسط و کشاد نے آخری طریق کار اپنے فرض کی ادائیگی اور اپنے جذبات وحقوق کے تحفظ کا قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی صحیح اور ایک صریح تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک روشن اسوۂ حسنہ کو مضبوط تھام لیں اور نفع و ضرر قومی کا موازنہ اور عواقب .... کی پوری جانچ کر کے اس کو بے خوف و خطر انجام تک پہنچائیں۔ ......وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اعدا اسلام کے ساتھ تعاون و موالات کو اعتقاداً و عملاً ترک کردیں۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت ناقابل انکار ہے اور ایک صادق مسلمان کی غیرت کا ایسے حالات میں یہی اقتضا ہونا چاہیے کہ وہ

(۱) سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کردے

(۲) ملک کی جدید کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کردے

(۳) صرف اپنی ملکی اشیاء اور مصنوعات کا استعمال کرے۔

(۴) سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔

اس کے علاوہ جو تجاویز وقتاً فوقتاً شائع کی جائیں اُن پر عمل کریں۔ بشرطیکہ

(۱) اتباع شریعت کیا جائے۔ اور عمل درآمد میں خلاف حکم شرع کا ارتکاب پیش نہ آئے۔

(۲) نیز اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے کہ جن امور میں فساد یا نقض امن کا اندیشہ ہو ان سے احتراز کیا جائے اور ہر کام میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال مدنظر رہے۔

(۳) ارشاد عثمانؓ اذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساؤا فاجتنب ساءتھم (جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے اچھا کرنے میں شریک رہو اور جب کہ بُرا کام کریں تو بُرائی سے بچتے رہو) کا لحاظ رکھنا ہر ایک امر میں مفید اور ضروری سمجھا جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

محمود حسن عفی عنہ دیوبندی

۳ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ[1]

---

[1] مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء

(۲) بہ جوابِ علی گڑھ کالج خلافت کمیٹی:

حضرت شیخ الہند کے اس جواب میں ۲۹ راکتوبر تک عدم تعاون کی تائید میں جس مفصل تحریر کی طرف اشارہ ہے' اس مراد ۱۶؍صفر ۱۳۳۹ھ کی وہ تحریر ہے جو حضرت نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاحی خطبے میں پیش فرمائی تھی اور یہاں ترکِ موالات کے ضمن میں "فتویٰ بہ جواب طلبائے علی گڑھ کالج" کے عنوان سے درج ہے۔ درج ذیل جواب میں اسی تحریر کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت حضرت علیہ الرحمہ قلم بند فرما رہے تھے۔ حضرتؒ کا درج ذیل جواب علی گڑھ کالج خلافت کمیٹی کی ایک اپیل کے جواب میں ہے۔

میں آج کل بیمار ہوں اس لیے مفصل جواب نہیں دے سکتا صحت رو بہ صلاح ہے۔ ۲۹ راکتوبر سے پہلے پہلے عدم تعاون کی کامل تائید میں مفصل جواب عرض کروں گا مختصر یہ ہے کہ ایک ایک فرزندِ اسلام کو اپنی طاقت و قوت سے عدم تعاون کی تائید کرنی چاہیے میں نے اپنے خیالات کا اظہار پہلے ہی کر دیا ہے میں اب بھی عدم تعاون اختیار کرنے پر زور دیتا ہوں مجھے توقع ہے کہ برادرانِ اسلام اتحاد و اتفاق اور اخوت و یگانگت کو ہاتھ سے نہ دیں گے تاکہ اعدائے اسلام کو ہمارے عدم اتفاق سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور آپ اس طرح سے ذلیل و رسوا نہ ہوں[1]

بندہ محمود حسن

(۳) فتویٰ بہ جواب طلبائے علی گڑھ کالج:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں :-

نمبر ۱ اس وقت جو گورنمنٹ سے مدارس میں بہ ضرورت زیادتی اخراجات مدارس کی امداد لی جاتی ہے۔ اس امداد کا ترک موالات کی وجہ سے لینا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر ۲ جو وظائف کہ سرکار کی طرف سے طلبہ کو اور خطاب یافتہ اصحاب کو ملتے ہیں ان کا لینا ان کو جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر ۳ طلبہ کے ذمہ والدین یا دیگر مربیوں کو بغیر اطلاع دیے ہوئے یا اُن کی خلاف مرضی ایسے مدارس

---

[1] مدینہ۔ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۰ء۔ بہ حوالہ تذکرہ شیخ الہند

کو چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں۔؟

نمبر۴ جن کا نان نفقہ طلبہ کے اُوپر فرض عین ہے۔ مثلاً اولاد زوجہ یا ضعیف والدین۔ اُن کو چھوڑ کر ہم کو لوجہ اللہ خلافت کے کام میں لگ جانا ضروری ہے یا نہیں ؟

نمبر۵ جن مدارس میں کہ سرکاری امداد لی جاتی ہے یا جو والئ ریاست ترک موالات اور مسئلہ خلافت کے مخالف ہوں اور اُن سے کچھ رقم ملتی ہے۔ ایسے مدارس میں پڑھنا یا پڑھانا، یا ان میں امامت و وعظ و نصیحت یا مذہبی تعلیم دینے کے امور کے انتظام کرنے کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۶ اپنے ذاتی اخراجات کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ فرض ہے بقدر ما یکفی خلافت کے بیت المال سے لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

نمبر۷ ان لوگوں سے کیا معاملہ رکھنا چاہیے جو سرکاری ملازم ہیں یا ایسے مدارس میں ملازم ہیں جن کو سرکار سے امداد ملتی ہے۔؟

نمبر۸ مسئلہ خلافت اور ترک موالات میں اہل ہنود سے اتحاد رکھنا اور اُن سے امداد اور اعانت (یعنی خواہ مالی ہو یا زبانی یا اور کسی قسم کی ہو) جائز ہے یا نہیں ؟

نمبر۹ مدرستہ العلوم علیگڑھ کے دوامی فنڈ کا روپیہ یا اُس کی عمارتیں جو تقریباً چالیس لاکھ روپے کی ہیں اور کتب خانہ جو رقم کثیر کا ہے اور دیگر حوائج کی اشیاء جو ہزارہا روپے کی مالیت کی ہیں۔ ان تمام چیزوں کی حفاظت، اور ہر چیز کو اپنے مصرف میں صرف کرنا ممبران مدرسہ کے ذمہ فرض ہے یا نہیں ؟

نمبر۱۰ جو طلبا انگریزی خواں ہیں ان کے لیے شرعاً یہ ضروری ہے کہ وہ علم دین کی تکمیل میں مشغول ہوں۔ تاکہ فارغ التحصیل ہوکر دوسروں کو تعلیم دیتے رہیں۔ یا ایسے طلبہ کو اس وقت ترک موالات و خلافت کو کامیاب بنانا ضروری ہے۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ تکمیل علوم دینیہ کو ترجیح ہے یا ترک موالات و خلافت کے کام میں مشغول ہونے کو۔ بینوا و توجروا۔

(طلبا مدرستہ العلوم علی گڑھ محررہ غرہ ماہ صفر ۱۳۳۹ھ)

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

دِل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ان مسائل کا جواب سننے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ ایک مسلم صادق تمام گردوپیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر اپنے ایمان کی قدر و قیمت اور شعائر الٰہیہ کی عظمت اور مقامات مقدسہ کے تقدس و احترام کو اچھی طرح دل نشین کرے۔ اور دروس ماضیہ کے ساتھ واقعات حاضرہ پر ایک گہری نظر ڈالے تو اُسے معلوم ہو گا کہ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی متاعِ گرانمایہ (جس کا تحفظ ہر ایمان رکھنے والے کا اولین فرض ہے۔ کس طرح لوٹی جا رہی ہے اور کن کن بدعہدیوں اور شرمناک عیاریوں اور روباہ بازیوں سے جزیرۃ العرب کے متعلق پیغمبر اسلام (فداہ ابی و امی) کی سب سے اہم وصیت کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

اعداء اللہ نے اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ عراق، فلسطین اور تمام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا پھر کفار کی بیبانہ حوصلہ مندیوں کی جولانگاہ بن گئے۔ پیراہن خلافت کی دھجیاں اڑادی گئیں۔ خلیفۃ المسلمین جس کی ہستی سے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی ہستیوں کا شیرازہ بندھتا ہے اور جو بحیثیت ظل اللہ فی الارض ہونے کے آسمانی قانون کا رائج کرنے والا اور مسلمانوں کے حقوق و مصالح کا محافظ اور شعائر اللہ کی صیانت کا ضامن اور کلمۃ اللہ کی رفعت و سربلندی کا کفیل تھا وہ بھی بے شمار دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست و پا ہو چکا۔

صُبت علیّ مصائب لو انہا ❊ صبت علی الایام صرن لیالیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا (خاکم بدہن) سرنگوں ہوا جا رہا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص، خالد بن الولید اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی روحیں اپنی خوابگاہوں میں بےچین ہیں۔ یہ سب کیوں ہے، اس لیے کہ مسلمانوں میں سے غیرت و حمیت مفقود ہو رہی ہے۔ جو جرأت اور دینی حرارت اُن کی میراث تھی وہ انھوں نے غفلت اور تعیش کے نشہ میں دوسروں کے حوالے کر دی ہے۔

یہی نہیں کہ اس مصیبت کے وقت ایک مسلمان نے مسلمان کی مدد نہیں کی۔ بلکہ قیامت تو یہ ہے کہ کفار کی موالات و اعانت اور وفاداری کے شوق میں ایک مسلمان نے دوسرے کی گردن کاٹی، بھائی نے بھائی کا خون پیا۔ اور دشمنوں کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے ہی خون

ہیں رنگے۔

اے فرزندانِ اسلام! اور اے محبّانِ ملّت و وطن! آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ جس برقِ مسلم سوز نے ان بلادِ اسلامیہ کے خرمنِ آزادی کو جلایا اور خلافت اسلامیہ کے قصر کو آگ لگائی، اُس کا اصلی ہیولا عربوں اور ہندوستانیوں کے خونِ گرم سے تیار ہوا تھا۔ اور جس دولت سے نصاریٰ ان ممالک مقدسہ میں کامیاب ہوئے۔ اُس کا بہت بڑا حصہ بھی تمہارے ہی دست و بازو سے کمایا ہوا تھا۔

پس کیا اب بھی کوئی ایسا پلید اور غبی مسلمان پایا جاتا ہے۔ جس کو نصاریٰ کے موالات و مناصرت کے نتائج قطعیہ معلوم نہ ہوئے ہوں اور ایسی تشویشناک حالت میں جبکہ ڈوبتا ہوا آدمی ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہے وہ اس فکر میں ہو کہ کوئی صورت موالات کے جواز کی نکالے۔

اے میرے عزیزو! یہ وقت استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں بلکہ غیرتِ اسلامی اور حمیّتِ دینی سے کام لینے کا ہے۔ کہیں علماء زمانہ کا چھوٹا بڑا اختلاف تمہاری ہمتوں کو پست اور تمہارے ولولوں کو پژمردہ نہ کر دے۔ میں اس وقت تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم تلوار لے کر جہاد کرو یا عراق و شام میں جا کر اپنے بھائیوں کا ساتھ دو۔ بلکہ محض اس قدر درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کے بازوؤں کو قوی مت بناؤ اور حق تعالیٰ شانہٗ کے ان ارشادات پر نہایت مستعدی اور جوان مردی اور اخلاص نیت سے عمل کرو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَھُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ بَعۡضُھُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ وَمَنۡ یَّتَوَلَّھُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡھُمۡ۔ الآیۃ۔	اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی انہیں میں سے ہے۔
لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ الآیۃ۔ (۳:۲۸)	مسلمانوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست یا مددگار بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا۔ اس کو اللہ سے کچھ سرو کار نہیں۔
بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا	ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری

اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔
(۱۳۹،۱۳۸:۴)

سنا دو۔ جو مومنین کے سوا کافروں کو اپن
بناتے ہیں کیا وہ اُن کے پاس عزت ت
کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام تر عزت خدا
لیے ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (۴:۱۴۴)

اے ایمان والو! مومنین کے سوا کا
کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ۔ کیا تم لیا
ہو اپنے اُوپر اللہ کا الزام صریح۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۵:۵۷)

اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب ا
کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنھو
نے بنا لیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل
اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔
(۵ ۸۱،۸۰)

ان میں بہت سے تم ایسے دیکھو گے ج
رفیق بنتے ہیں کافروں کے، بیشک بُرا ہے و
آگے بھیجا ہے انھوں نے خود اپنے لیے کہ اللہ
کا غضب ہے اُن پر، اور وہ ہمیشہ عذاب م
ہیں۔ اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پر اور نبیؐ پر ا
اس پر جو نبیؐ کی طرف اُتارا گیا تو کافروں کو رف
نہ بناتے۔ لیکن اُن میں بہت سے نافرمان ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو
اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کر
اُن سے جنھوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اُس
کے رسولؐ کا اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے
یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہیں
جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا
اور اپنی رُوح سے ان کی مدد فرمائی۔ اور ان کو

وید خلھم جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ط رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ط اولٰئک حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۔ (۲۲،۵۸)

داخل کرے گا باغ بہشت میں جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ جماعت ہے خدا کی۔ یاد رکھو کہ خدا کی جماعت ہی کامیاب ہے۔

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق ج (۶۰،۱)

اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ۔ پیغام بھیجتے ہو تم اُن کی طرف دوستی کا۔ حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اُس سچائی سے جو تمہارے پاس پہنچی ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ جن کا استیعاب مقصود نہیں۔ مگر اس قدر واضح رہے کہ اولیاء کا ترجمہ جو ہم نے دوست اور مددگار سے کیا ہے۔ اس کا ماخذ امام ابن جریر طبری اور حافظ عماد الدین بن کثیر اور امام فخر الدین رازی وغیرہم اکابر مفسرین کی تصریحات ہیں۔ ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ ترکِ موالات کے تحت میں جیسا کہ اُن کی مدد کرنا داخل ہے۔ اسی طرح اُن سے امداد لینا بھی ہے۔ لہٰذا آپ کے سوال اوّل و دوئم کا جواب یہ ہوگا کہ مدارس میں جو امداد گورنمنٹ سے لی جاتی ہے اور جو وظائف طلبہ وغیرہم کو ملتے ہیں وہ سب قابل ترک ہیں۔ اور اس ترک موالات میں طلبہ اپنے والدین کی اجازت کے محتاج نہیں ہیں بلکہ اُن کا حق ہے کہ وہ ادب اور تہذیب کے ساتھ اپنے والدین کو بھی ترک موالات پر مستعد بنائیں۔ اس وقت جو خلجان بعض طلبہ کو پیش آرہا ہے۔ عہد نبوت میں بھی بعض مومنین کو پیش آیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کفار سے بالکل علیحدگی اور قطع تعلق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اپنے ماں باپ اور اپنے بھائیوں اور اپنے خویش واقارب سب سے چھوٹ جائیں گے۔ ہماری تجارتیں تباہ ہو جائیں گی۔ ہمارے اموال ضائع ہو جائیں گے۔ اور ہماری بستیاں اُجڑ جائیں گی۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ عنایت فرمایا:۔

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ

کہہ دو کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کمایا ہے۔ اور

تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ط (۹: ۲۴)	تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ اگر یہ سب تم کو خدا اور خدا کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو، تاکہ لے آئے اللہ اپنے حکم کو، اور اللہ دستگیری نہیں کرتا اس قوم کی جو نافرمان ہے۔

کبھی دل میں یہ وسوسہ گزرتا ہے کہ خدانخواستہ اگر یہ تحریکات جو ملک میں پھیل رہی ہیں، ناکام ہوئیں اور گورنمنٹ اپنی ضد پر اڑی رہی، تو ہم کو سخت ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح کے خیالات اُس زمانہ میں بھی پیش کیے گئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ کہ" یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ ۔ (یعنی منافقین کہتے ہیں۔ کہ ہمارے دوستانہ تعلقات یہود کے ساتھ اس لئے ہیں کہ زمانہ کی گردش سے کہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے ناکام ہوں اور یہود غالب آجائیں تو اُس وقت ہمارے لیے بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔)

اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ، نے فرمایا:۔

فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ نٰدِمِیْنَ ۔ (۵۲: ۵)	تو قریب ہے کہ لے آئے اللہ فتح یا کوئی اور بات اپنے پاس سے۔ پھر منافقین اُن خیالات پر نادم ہو کر رہ جائیں جو ان کے دلوں میں مکنون ہیں۔

پس اے عزیزو! تم اللہ پر بھروسہ کر کے اور اُس کی رسّی کو مضبوط تھام کر اپنے عزم پر قائم رہو۔ اور موالاتِ نصاریٰ کو ترک کرو، اور اپنی استطاعت کے موافق جو خدمت گزاری اسلام اور اہل اسلام کی کر سکتے ہو۔ اُس سے درگزر نہ کرو۔ کہ اب وقت درگزر کا نہیں۔

حُسنِ اتفاق سے اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد قوم (ہنود) کا مطمحِ نظر بھی تمہاری ہمدردی اور واقعات پنجاب اور خواہش سیلف گورنمنٹ کی وجہ سے ترکِ موالات مع النصاریٰ ہے اور ابھی حال میں سنا گیا ہے کہ سکھ لیگ نے بھی یہی فیصلہ کر لیا ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے تم اپنی نظر فقط خدا پر رکھو۔ تمہارا دوست اور مددگار صرف وہی ہے۔ البتہ جو قومیں تمہارے اس پاک مقصد میں خود بخود شریک ہو جائیں یا تمہاری تائید اور غم خواری کریں۔ ان سے

تم بھی مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کرو۔ اور مبرّۃ و اقساط (مروت اور حسنِ سلوک) سے پیش آؤ۔ قرآن حکیم میں ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (۶۰: ۸، ۹)

اللہ ان لوگوں کے متعلق جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور منصفانہ سلوک کرو۔ بلا شبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے اللہ تو ان لوگوں کی دوستی سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔ اور تمہارے نکالنے میں مدد دی۔ اور جو لوگ ان سے دوستی رکھیں وہی ظالم ہیں۔

اس موقعہ پر اس قدر تنبیہ ضروری ہے کہ ہندو اور مسلمان کے ان تعلقات کا اثر یہ نہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان اپنے کسی مذہبی حکم کو بدلیں اور شعائر کفر و شرک کو اختیار کرنے لگیں اگر وہ ایسا کریں گے تو نیکی برباد گناہ لازم کی مثل اپنے اوپر منطبق کریں گے۔

میری عرض یہ ہے کہ آپ ترکِ موالات پر نہایت دیانت سے عمل کریں۔ اور خالص خدا پر اپنی نظر رکھیں۔ اور جن طلبہ سے حقوق واجبہ فوت نہ ہوتے ہوں، وہ اس تحریک کی تبلیغ میں بھی حصہ لیں بقدر ضرورت تعلیم دینی اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کے بعد آج کل یہ مشغلہ نہایت سود مند ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور جن لوگوں کے ذمہ اولاد یا بیوی یا ماں باپ کے حقوق ہوں وہ اسی حد تک اس کام میں حصہ لیں جہاں تک اُن کی خبرگیری سے اغماض نہ ہو۔ کہ وہ بھی فرض ہے۔ اور اگر خلافت کی امداد و حفاظت میں سعی کرنے والے کو بقدر اس کی ضروریات کے خلافت کمیٹی اس چندہ میں سے جو اسی کام کے لیئے کیا گیا ہو۔ کچھ حق الخدمت دے اس کا لینا جائز ہے۔

الحاصل موالاتِ کفار حرام ہے۔ اور جہاں تک قدرت ہو اپنے کو اور دوسروں کو موالات کفار سے علیٰحدہ رکھنا ضروری ہے۔ اور ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی توجہ سب طرف سے ہٹا کر اُسی ربّ العزت سے وابستہ کرے۔ جس کے ہاتھ میں ہر ایک شاہ و گدا کی باگ ہے۔ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یارانِ ہمہ کار بگذارند و سرِ طرۂ یارے گیرند

اب بندہ التماس ختم کرتا ہے اور اس قدر اور معروض ہے کہ بندہ کوئی مفتی نہیں۔ فتویٰ لکھنا دوسرے علماء کا کام ہے۔ تاہم اُمید ہے کہ میری معروضات سے آپ کو اپنے سوالات کا جواب مل جائیگا۔ اور علیگڑھ کالج کی عمارتوں اور کتب خانہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کے دل کو دستک دے گا۔ کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کی قیمت کو کیا نسبت ہے۔

بالکل آخر میں مجھے یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ تحریک ترک موالات کا موجودہ حالت میں کامیاب بنانا صرف اس پر منحصر ہے کہ کوئی حرکت ہماری طرف سے ایسی نہ ہونی چاہیئے جو نقضِ امن یا سفکِ دماء کی موجب ہو۔ اور یہی نصیحت اس ملک کے تمام سربرآوردہ دانشمندوں کی ہے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جاتے۔ ورنہ فائدہ کی جگہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ والسلام (مورخہ ۱۲ر صفر ۱۳۳۹ھ)

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہ رب العزت میں نہایت صدق دل سے دعا کریں۔ کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے۔ اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؁

آپ کا خیر اندیش

بندہ محمود عفی عنہٗ

۱۲ر صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔

(۴)

استفتاء از مولانا عبد الماجد قادری بدایونی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مذہب!

(۱) حالات حاضرہ میں ترک موالات عن النصاریٰ شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) صورت موجودہ میں ملک کے اہل ہونے کی ہمدردی مسلمانوں کے ساتھ اور اُن کا مرکزی مجلس خلافت کی تجویز ترک موالات کو مفید اور کامیاب بنانے میں مدد دینا اور مسلمانوں کا اُن کی ہمدردی و مدد سے مستفیض ہونا عند الشرع کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) ترک موالات کی تجویز عام کی دفعہ خصوصی مالی امداد بند کر دینا۔ اور اسی ضمن میں

(الف) مدارس قومیہ سے اس کا اجراء و نفاذ ضروری ہے یا نہیں؟

(ب) طلباء مدارس قومیہ کا اراکین مدارس سے ایسا مطالبہ کہ وہ ہر ایسی مدد جو تجویز ترک موالات کے خلاف ہے فوراً حاصل کرنا بند کر دیں صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) ایسا کرنے میں عاقل و بالغ طلبہ اپنے والدین کی اجازت کے محتاج ہیں یا نہیں؟

المستفتی

فقیر عبد الماجد القادری

صدر شعبۂ تبلیغ مجلس خلافت صوبہ آگرہ

فتویٰ از جناب مولانا محمود حسن:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و بہٖ نستعین

الجواب:

نمبر ۱۔ ترک موالات عن النصاریٰ کے متعلق جو استفتاء اس ضعیف اور درماندہ سے کیا گیا ہے ہر چند اپنے ضعف اور ناتوانی کے باعث مجبور ہوں اور نہ اپنی تحریر

سے کوئی خاص نفع خیال میں آتا ہے، مگر اس حالت میں سکوت اور انکار کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں۔ اس لیے بالاجمال اور بقدر ضرورت و کفایت عرض ہے کہ موالات کفار کی ممانعت اور حرمت قرآن و حدیث میں مصرح ہے اور متعدد مواقع میں موجود ہے، بالخصوص ان کے ساتھ جو تخریب اسلام میں ساعی ہو کر جگہ جگہ اسلام و مسلمین کی ہر قسم کی ایذا رسانی کا ثبوت بیّن دے رہے ہیں۔ اور استقبال میں اس سے زائد اندیشے ہیں ایسے وقت میں ترک موالات کی فرضیت میں تامل کرنا کسی طرح جائز نہیں معلوم ہوتا۔ اور جو خطرات پیش نظر ہیں ہرچند وہ بھی قابل انکار نہیں، مگر ان کے اندیشہ سے سب موجودہ اور آیندہ بلاؤں پر صبر و سکوت کر لینا ہرگز جائز نہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے حقوق و منافع ضروریہ کو متفق ہو کر حکام سے حاصل کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ مسلمانوں کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے جو کچھ نظر آرہا ہے۔ اب آخر تک کیے؛

نمبر۲۔ مصائب حاضرہ میں ہندوؤں کی ہمدردی سے فائدہ اٹھانا۔ یا اُن کے ساتھ مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کرنا، اور جو ہنود اس درد میں ہماری غم خواری کریں ان سے مبرّۃ اور اقساط (احسن سلوک) سے پیش آنا شرعًا درست اور جائز ہے ہاں یہ فرض ہے کہ اس امداد سے کسی حکم شرعی میں ادنیٰ خلل اور نقصان نہ آئے، نیز جو صاحب یہ کام کریں ایسے مصالح اور مقاصد پر پوری نظر اور احتیاط رکھیں۔

اِس جواب اور نمبر ا کے جواب کا ثبوت اِس آیت سے واضح ہے (آیتہ)

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ٥ اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ اِس آیت کا شان نزول تفاسیر سلف میں دیکھ لیا جائے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کفارِ مکہ کی سختیوں سے تنگ آکر ملک حبشہ کی (جو اُس وقت کافر تھا) زیر حمایت رہنے کو اَہوَن سمجھنا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابن الدغنہ کی امان کو قبول

حاشیہ اگلے صفحے پر

کرنا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوطالب کی وفات پر تاسف انگیز کلمات فرما کر ان کی تائید اور اعانت کو یاد فرمانا نیز بنو خزاعہ اور بعض دوسرے قبائل کا فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ ہونا یہ اور اس قسم کی نظائر کثیرہ بھی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

(۳) ترک موالات کے متعلق بہت سی جزئیات ہیں جو امر مسلمانوں کو نافع نظر آئے اُس کا کرنا ضروری ہے۔ ہاں یہ امر ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مدارس اور اپنے لڑکوں کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی دینی حسیات اور قومی خصائل پر اس کا انتظام قائم کیا جائے۔

علی گڑھ کالج کی ابتدائی حالت میں علماء متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم سے (جو از سر تا پا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے) روکا مگر بدقسمتی کہ وہ رک نہ سکی۔ اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لیے تو قوم کو اُس سے بچانا بالبداہتہ ایک ضروری امر ہے طلبہ کے والدین دیکھ بھال کر اور سمجھانے پر بھی اسی تعلیم پر زور دیں اور مذہبی تعلیم سے مانع ہوں تو طلبہ کو ضروری ہے کہ لوجہ اللہ تعلیم مذہبی اور اسلام کی خدمت گذاری کے لیے سعی کریں۔:-

الملتمس

بندہ محمود حسن عفی عنہٗ

لے سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸/۹ حضرت شیخ الہند نے ترجمہ قرآن میں اس کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا ہے: "اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو تمہارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں، کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے، سو وہ لوگ وہی ہیں گنہ گار۔"

مسئلہ ہجرت

(۱)

ض۔۔۔(ملتان)

حضرت مالٹا سے رہائی پاکر ہندوستان تشریف لا چکے تھے۔ ہجرتِ افغانستان کا شور برپا تھا۔ یہ ملتان کے کوئی صاحب تھے جنھوں نے ہجرت کا عزم کیا تھا لیکن والدین کی عدم رضا اور بیوی بچوں کے مسائل کے عذرات تھے۔ اس سلسلے میں حضرتؒ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ حضرتؒ نے کیسی حکیمانہ بات تحریر فرمائی۔ حضرت کے کمال تفقہ کی مثال ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ کاشف حالات ہوا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حالات موجودہ میں ہجرت کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں، اور آپ جب اس امر کی اہمیت اور نزاکت کو کماحقہٗ سمجھ چکے ہیں تو آپ پر اس بارے میں جدوجہد فرض ہے اگر کوئی جاہل و غافل بعد از جہل قابل معافی سمجھا جائے تو ممکن ہے مگر جن کو حقیقت الامر منکشف ہو چکی ہے وہ کسی قسم کی معافی کے مستحق نہیں ہو سکتے، لہٰذا بندے کے نزدیک آپ جیسے باخبر اور قوی الہمت کے لیے اس امر میں ہرگز ہرگز کوتاہی جائز نہیں معلوم ہوتی۔

جس قدر امور اپنے متعلق آپ نے تحریر فرمائے ہیں اس میں قابل لحاظ والدین کی اطاعت اور زوجہ کی معیشت ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ آپ زوجہ اور صغیر اولاد کے گذران کی کوئی صورت فرما دیں اور والد سے حصول اجازت میں کوشش بلیغ سے کام لیں۔ اگر والدین کسی طرح روبراہ نہ ہوں تو پھر مناسب ہے کہ آپ ہجرت کا ارادہ نہ فرمائیں بلکہ بطور خدمت گذاری اسلام اور بطور ملازمت ارادہ وہاں جانے کا فرمالیں اور ان کی عدم اجازت کی پروا نہ کریں۔ ہاں ارادہ یہ

ضرور رکھیں کہ خدمت ضروری ہے جب فارغ ہوں گا تو والدین کی خدمت میں چلا آؤں گا اور آپ وہاں پہنچ کر جس تدبیر اور رائے سے مشورۂ متعلقین کرکے اسلام کو نفع پہنچا سکیں اس میں کوشاں اور ساعی رہیں۔

بندہ محمود بقلم محمد مبین
۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ[1]

خلیفہ صاحب (ڈیرہ اسماعیل خاں):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مکرمی دام مجدہ! السلام علیکم

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ نصِ تنزیل ہے۔ میں اپنی قصور و خطا کا قائل ہوں یہ لوگوں کا حسنِ ظن ہے کہ میرے قول پر اعتبار زیادہ کرتے ہیں۔ میری عرض ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال پر عمل کیا جائے جس کی دیانت پر اعتماد ہو اس کے قول کو ماننے میں خود ایک عامی مقلد ہوں تصریحات علما کا پابند ہوں اسی وجہ سے مستندات اکثر فقہیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

مگر یہ مسئلہ (ہجرت) مابہ الامتیاز مقلد و غیر مقلد کا نہیں ہے اور اس میں اختلاف نہ کہیے بلکہ خلاف کہنا چاہیے ایسے ہی مسئلہ دار حرب کا ہے وہ بھی تقلید سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ غیر مقلد علما بھی ایسے ہیں جو ہندوستان کو دار حرب نہیں قرار دیتے ہیں نواب صدیق حسن خان تحریر فرماتے ہیں۔ وچون ہندوستان عموماً و ریاسات اسلامیہ خصوصاً نزد امام اعظم دار الحرب نیست بناء علی ذلک ہجرت ہم از ینجا واجب نخواہد بود کہ از بلیس فلیس وہر کہ ہندوستان نزد او دار الحرب است ہجرت نزد وے واجب باشد اما مع ذلک اخذ ربا از حربی جائز نیست بنا بر ورود نصوص صحیحہ قطعیہ قرآنیہ و حدیثہ

---

[1] مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۲۰ء بہ حوالہ تذکرہ شیخ الہند از مولانا مفتی عزیز الرحمن۔

برحرمت آن درروایات فقہیہ کہ مبنی برظن وقیاس است مصادم آن نخواہد بوداینجا معلوم شد کہ نتیجۂ اختلاف اہل علم در دار الحرب و دار الاسلام بودن ہندوستان وجوب وعدم وجوب ہجرت است نہ جواز وعدم جواز اخذ ربا از مردم ازانجا بر تقدیر وجوب ہجرت ازین دار حرب بدار اسلام حدیث لاہجرۃ بعد الفتح را جواب است کہ در حل سوالات مشکلہ ذکر کردہ ایم فراجعہ وفی الحال مختار وفتوی مشاہیر فقہاے حنفیہ ہند مثل علماے دہلی ورامپور دبھوپال وجز آں ہمیں است کہ مملکت ہند خصوصًا ریاسات اسلامیہ آن دار الاسلام است نہ دار الحرب بعض معاصرین نوشتہ اندر الاحتیاط ان نجعل ھذہ البلاد دار الاسلام وان کانت السلاطین فی الظاھر ھولاء الشیاطین واللہ اعلم اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے استاد الاساتذہ ایسا فرماتے ہیں کہ ہجرت بغرض جہاد معروض ہے تحت آیت شریف وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دار الحرب سے باوجود ضرورت جہاں ہجرت نہیں کریں وہ لوگ ایک وجہ سے کفار کے حکم میں ہیں انتہی۔ کل زمانہ اخبار میں ہجرت کے بارہ میں مولانا محمود حسن صاحب کا جواب دیکھا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے موقع ومحل کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے اس کو تصفیہ سمجھیے۔ آیندہ یہ سلسلہ بحث میں نہ کروں گا۔

(مولانا عبد الباری فرنگی محلی)

الجواب:

مخدوم ومکرم بندہ جناب خلیفہ صاحب مدّ فیوضکم۔

احقر محمود تسلیم مسنون کے بعد عرض رسا ہے جناب کا والا نامہ ایسے وقت پہنچا کہ بندہ سہارنپور، گنگوہ وغیرہ گیا تھا وہاں سے کل واپس آیا تو جناب کا گرامی نامہ بندہ کو ملا مگر یہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت کی فضیلت اور خوبی تو ہر وقت مسلمہ ہے اس پر آشوب حالت میں حالات موجودہ اور آیندہ کا لحاظ کر کے اس میں شک نہیں کہ اس استحباب واستحسان میں ہر طرف سے تاکید وجوب محسوس ہوتا ہے جو اہل ہمت کے عمل کرنے کے لیے بالکل کافی ہے اب اس میں خواہ مخواہ فرضیت وعدم فرضیت کا مباحثہ

اور منازعت کرنا انھیں لوگوں کا جو حیلہ جو طبائع رکھتے ہیں، کام ہے اور ایک امر حق کو روکنا چاہتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اہل تحقیق کو چند جوانب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اوّل دار الحرب کہ جس سے ہجرت کریں اس کو غور سے ملاحظہ کرنا۔

دوسرے جس دار الاسلام میں جانا چاہتے ہوں اس کے احوال پر نظر کرنا۔

تیسرے جو ہجرت کریں ان کے حالات کو پیش نظر رکھنا کیوں کہ حالات بے حد مختلف ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وقت پریشانی کا ہے اور اہل اسلام کی آزمایش کا۔

پس اہل اسلام جان نہ چرائیں۔ اللہ کے واسطے ہجرت کریں یا یہیں رہ کر کسی مفید کام میں سعی کریں۔ اس ضروری وقت کو فضول بحث و مباحثہ میں صرف نہ کریں۔ ہجرت ضروری ہے تو ایسی ضروری نہیں کہ نہ والدین کی اجازت کی حاجت ہو اور نہ اہل وعیال کے کفاف کی اور جملہ اہل اسلام کو علی الفور ہجرت لازم ہی کردی جائے۔ اور مستحب ہے تو ایسی مستحب بھی نہیں کہ تمام اہل ہند بے حس و حرکت ہو کر آرام و اطمینان سے اس دار الکفر میں لیے پیر پسار کر سوتے رہیں۔ بلکہ فرض ہے کہ ہر شخص اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق تائید دین کے لیے مال اور جان سے کوشش کرے خواہ یہاں رہے یا کہیں باہر جاوے۔ واللہ الموفق اکابر اور عمائد اسلام پر علی الخصوص واجب ہے کہ خود ہمت کریں اور عوام کو ہمت بلند دلائیں اور جو شخص جس کام کے لائق ہو اس کو اس کام میں لگائیں اور بحث و اختلافات جس کا منشا نفسانیت ہے۔ اس اختلاف سے بچیں اور دوسروں کو بچائیں اور العلم حجاب الاکبر کے مصداق نہ بنیں احقر نے حالات موجودہ پر نظر کر کے جو مناسب اور حق سمجھا ہے جناب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ باقی عبارات کتب جن کو ہمارے علما نے اپنے قول کی مؤید سمجھ کر اپنے استدلالات میں پیش فرمائی ہیں ان کا مطلب اہل علم جو سمجھ رہے ہیں اس میں مجھے کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں میں نے فقط یہ عرض کیا ہے ہجرت فرض ہے یا مستحب۔ قابل غور یہ ہے کہ ہم کو اس حالت میں کیا کرنا چاہیے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر اس خاص وقت میں ایسے منازعت کو نہایت منحوس اور مضر سمجھتا ہے۔

فقط والسلام

بندۂ محمود بقلم خود

۲ر ذی الحجۃ ۱۳۳۸ھ یوم سہ شنبہ[1]

---

[1] مطابق ۷ر اگست ۱۹۲۰ء منقول از "مجموعۂ رسالہ ہجرت و رسالہ قربانی گاؤ" از مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرتبہ شیخ شاہد علی

تہنیت نامہ و پیغام

①

تہنیت نامہ:

بہ جوابِ سپاس نامۂ مسلمانانِ میرٹھ

۱۳ جون ۱۹۲۰ء کو میرٹھ کے مسلمانوں نے حضرت شیخ الہند رح کی رہائی اور وطن مراجعت پر مسرت کے اظہار میں ایک سپاس نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ حضرت نے اس کا مندرجہ ذیل تحریری جواب ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد!

بندہ ضعیف ناچیز اپنے برادران مکرمین کی خدمت میں نیازمندانہ عرض کرتا ہے کہ آپ حضرات نے جو سچی توجہ اور شفقت اس ناچیز کے حال پر غائبانہ اور حاضر وقتاً فوقتاً ظاہر اور بیان فرمائیں وہ اس قابل ہرگز نہیں کہ میں اس کا صرف شکریہ زبان سے ادا کر کے سبکدوش ہوسکوں۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس کا نعم البدل دارین میں آپ کو عطا فرمائے جو تکالیف کہ اس عرصے میں بندۂ حقیر اور میرے مخلص رفقا کو پیش آئیں وہ اوّل تو مقدرات الٰہیہ سے تھیں جو ہم کو پیش آئیں بلکہ عالم کی آفرینش سے پہلے مقرر ہو چکی تھیں دوسرے ارشاد اکابر "بحمد اللہ بہ مصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"، میری تسکین کے لیے ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ تیسرے جو تکلیف گزر چکی اس کو یاد کرنے کی نہ ضرورت نہ حاجت بہ قول قائل۔

سفینہ جب کہ کنارے پر آ لگا غالب　　خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

چہارم آپ حضرات مکرمین نے جو اپنے قدوم سے ہم ناچیز بندوں کی عزت افزائی کی وہ سب تکالیف کا پورا کفارہ ہے بدین وجوہ آپ حضرات کو کسی امر کا ملال نہ رہنا چاہیے

فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسراً (سورہ الانشراح)	سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

اے حضرات! یہ امر معلوم ہو کہ خدمت اسلام جو ہر مسلمان پر اس کے مرتبے کے

موافق فرض ہے اس سے کسی قسم کا انحراف مسلمان کی شان سے بعید ہے یہ احقر بھی اپنی لیاقت اور استطاعت کے موافق اس کو بجالانا اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے وما توفیقی الا باللہ جو امر احقر سے کسی وقت میں دریافت فرمایا جائے۔ اللہ کی عنایت سے امید کرتا ہوں کہ اس کے اظہار میں ہرگز تامل نہ ہوگا۔ میں خدمت اسلام جو تمام عمر کرتا رہا ہوں اس خدمت کو ہمت اور استبازی سے انجام دینے میں حاضر ہوں۔ اور اس کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں البتہ جو امر میری استعداد سے زائد ہو اور جس کا تحمل اور انجام وہی اس ضعیف سے ناممکن ہو اس میں اگر معذوری عرض کروں تو آپ حضرات سے امید قبول رکھتا ہوں والعذر عند کرام الناس مقبول۔ اس وقت چوں کہ بوجوہ متعددہ معذور رہو رہا ہوں اس لیے کسی کوتاہی پر خیال نہ فرمایا جائے۔ آخر میں بکمال عجز و اظہار مسرت آپ کے سامنے اور اہل اسلام کے لیے حق تعالیٰ شانہ سے التجائے نجاح وفلاح دارین کرتا ہوں۔ ارحم الراحمین ارحمنا واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین[1]

بندہ محمود حسن

پیغام:

کلکتہ میں جمعیت علمائے ہند کے تحت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا حضرت سے شرکت کی درخواست کی تھی۔ حضرت اپنی شدید علالت کے باعث اتنے طویل سفر کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم کے ہاتھ پیغام روانہ فرمادیا جو کانفرنس کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ وہی کانفرنس ہے جس میں ہندوستان پاکستان کے دو سو سے زائد علماء نے ترک موالات کے متعلق ٹھوس تجاویز پاس کی تھیں اور علمائے ہند کا متفقہ فتویٰ پہلی مرتبہ پاس کیا گیا تھا اس کے بعد فتوے کی ضبطی اور اس کے اعادے کی مدت تک تکرار جاری رہی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ ناچیز وضعیت اپنے مکرمین اور مخلصین حضرات کی خدمت میں تسلیمات

---

[1] مدینہ بجنور۔ ۹ جولائی ۱۹۲۰ء بہ حوالہ تذکرہ شیخ الہند

مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔ سب سے پہلے یہ عاجز آپ حضرات کی ان مساعی جمیلہ کا شکریہ واجب سمجھتا ہے جن کو آپ حضرات نے اپنی لگاتار کوششوں سے اپنے ملک اور قوم اور ملت بہبودی کے لیے بے دریغ مبذول فرمارہے ہیں اور سوتے ہوؤں کو خواب غفلت سے جگا جگا کر اور کمزوروں کو چونکا چونکا کر مفید باتیں دکھا اور سنا رہے ہیں فجزا کم اللہ عنا احسن الجزاء وافضل الجزاء۔

اس وقت تمام ملک میں جو آثار بیداری کہیں زیادہ کہیں کم نظر آتے ہیں وہ آپ ہی کی جدوجہد کا نتیجہ اور آپ ہی کی جان توڑ مسلسل محنت اور ہمت کا ثمرہ ہے اللّٰھم زد فزد۔

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آپ حضرات نے جو اس ناتواں اور ناکارہ کو یاد فرما کر عزت و احترام کے ساتھ مکرر سہ کرر اپنی شرکت سراسر برکت کے لیے طلب فرمایا اس کا جواب بجز لبیک کے کچھ نہ تھا مگر کیا عرض کروں ہجوم عوارض اور کمزوری طبیعت ایسی سدّ راہ ہے کہ باوجود عزم و اشتیاق شرکت کسی طرح حرکت نہ کر سکا اور افسوس کے ساتھ آپ حضرات کی تعمیل سے بالکل قاصر رہا۔ آپ کے اخلاص کریمانہ سے بوجہ اپنی معذوری قوی کے معافی کا مستحق ہوں۔ اب بجز اس کے کیا کر سکتا ہوں حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کے نیات و مساعی میں برکت عطا فرما دے اور اہل اسلام اور تمام ملک کو اس کی خیر و برکت سے مستفیض کرے یہ دُور افتادہ باوجود ضعف و ناتجربہ کاری آپ کی ہمدردی و شرکت میں باذن اللہ ہرگز قاصر نہیں فالحمد للہ۔

یہ ضرور ہے کہ ترک موالات وغیرہ جملہ امور میں انجام بینی اور احتیاط سے کام لیا جائے کسی جوش اور جذبہ کی اتباع بغیر تامل و مشورہ ہرگز نہ کی جائے واللہ الموفق والمعین[1]

بندہ محمود عفی عنہ

۱۸/ ذی الحجہ یوم جمعہ (۱۳۳۸ھ/ ۲/ ستمبر ۱۹۲۰ء)

---

[1] مدینہ ۱۷/ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ بہ حوالہ تذکرہ شیخ الہند نیز دیکھیے "شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ حیات اور علمی کارنامے" از اقبال حسن خاں۔

متفرق

گاندھی ٹوپی :[1]

ہم یہاں حضرت کا ایک جواب نقل کرتے ہیں۔ یہ کوئی فتویٰ نہیں۔ انگریز دشمنی کے پس منظر میں ایک سیاسی رائے اور ایک فی البدیہہ، برجستہ اور محض جواب ہے لیکن اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی کر دینا مناسب ہوگا کہ جس ٹوپی کو گاندھی ٹوپی کہا جاتا ہے وہ درحقیقت "اُجیل کیپ" ہے۔ مسلمانوں کے لیے محض اس وجہ سے اس ٹوپی کا پہننا ناجائز نہیں قرار دے دیا جا سکتا کہ اسے کسی وقت گاندھی جی نے بھی پہنا تھا۔ یا وہ برٹش دور میں تحریک آزادی یا استعمار دشمنی کی علامت بن گئی تھی۔ ہندوستان نے تنگ موری کا چوڑی دار پاجامہ، شیروانی اور اس کے ساتھ اجیل کیپ کو ہندوستان کا قومی لباس قرار دیا ہے۔ پھر کیا مسلمانوں کو اس لیے پاجامہ اتار دینا اور شیروانی پہننا ترک کر دینا چاہیے کہ پنڈت جواہر لال نہرو پہنتے تھے اور ٹوپی کو اس لیے ترک کر دینا چاہیے کہ اس وضع کی ٹوپی کبھی گاندھی جی نے جب وہ مکمل لباس پہنتے تھے، پہنی تھی اور مکمل برہنگی کو اپنا شعار بنا لینا چاہیے مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کے دور ہی سے قرا فلی ٹوپی اوڑھنی شروع کر دی تھی اور آخر تک ان کی وضع میں تبدیلی نہیں آئی لیکن جب حکومت کے نزدیک اس خاص وضع کی ٹوپی پہننا جرم قرار پایا تو کچھ عرصے تک پبلک مواقع پر اسی وضع کی ٹوپی اوڑھنے لگے۔ یہ بظاہر یہ باتیں معمولی نظر آتی ہیں لیکن عوام میں برٹش استعمار کے خلاف جذبہ پیدا کرتے ہیں یہ باتیں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔ اس قسم کی چیزوں کو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی اسلامی اصطلاحات کے پیمانوں سے

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ حیات اور کارنامے از ڈاکٹر اقبال حسن خاں، ص ۲۴۲

[2] یہاں "باعثِ ثواب" سے مراد سیاسی طور پر نتیجہ خیز اور مفید اور "مستحسن" سے مراد ایک پسندیدہ سیاسی عمل ہے۔ یہ بات گاندھی ٹوپی کے تعلق سے کہی گئی۔ ویسے ٹوپی پہننا تو بلاشبہ ایک مستحسن فعل ہے ہی۔ ٹوپی کے بغیر ایک مسلمان کا لباس مکمل نہیں ہوتا اور مستحسن فعل پر خدا سے ثواب کا امیدوار بھی ہونا چاہیے لیکن یہاں الفاظ ثواب اور استحسان دینی اصطلاحات کے طور پر نہیں بلکہ بامعنی لفظوں کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

نہ ناپنا چاہیے بلکہ سیاسی تحریک کے موثرات کی جہت سے ان پر نظر ڈالنی چاہیے۔

بہ قول ڈاکٹر اقبال حسن کے بات صرف اتنی ہے کہ شیخ الہند کے اس جواب سے انگریزوں کے متعلق ان کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیوہارہ ضلع بجنور میں ایک بزرگ تھے جو فتویٰ پوچھے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ خط کے ذریعے حضرت شیخ الہند سے دریافت کیا کہ گاندھی ٹوپی اوڑھنا مذہباً کیسا ہے؟ آپ نے یہ جواب لکھ بھیجا۔

یہ بھی واضح ہو کہ یہاں حضرت شیخ الہند کا جواب روایت بالمعنی کے طور پر ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ٹھیک یہی الفاظ حضرت نے تحریر فرمائے تھے حضرت کا جواب یہ ہے،

گاندھی ٹوپی چوں کہ ایسی جماعت کا شعار ہے جو حریت طلب اور انگریزی حکومت کی شدید مخالف ہے اور اسی وجہ سے انگریز بھی اس کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر بندے کے نزدیک گاندھی ٹوپی کا استعمال نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے لیے جائز بلکہ باعث ثواب اور مستحسن ہے[۳۲]

مکاتیب شیخ الہند

فہرست

مکاتیب شیخ الہند

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کے آثار علمیہ کی تلاش اور ان کی تدوین کی طرف ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ بعض رسائل میں آپ کے کلام کی اشاعت کا پتا چلتا ہے اور بعض خطوط کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو حضرت نے اپنے اعزہ و مخلصین کو تحریر فرمائے تھے لیکن وہ ابھی تک اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ وہ محفوظ بھی ہیں۔

حضرت میاں سید اصغر حسین رحؒ نے ایک زمانے میں توجہ فرمائی تھی اور ان کی کوششوں سے "کلیات شیخ الہند" کے نام سے منظومات کا ایک مختصر مجموعہ مرتب ہو گیا تھا۔ لیکن تمام کلام مہیا نہیں ہو سکا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ خود حضرت شیخ الہند کو شاعری کا کوئی خاص شوق نہ تھا اس لیے کلام کے جمع و تحفظ کی فکر نہ فرمائی۔ کسی خاص تحریک سے وقتی جوش کی بنا جو کچھ کہا وہ نسیاً منسیاً ہو گیا۔ حضرت کے دائرہ مخلصین میں بھی علمی ذوق رکھنے والا اور حضرت کے کلام کا واقعی اندازہ شناس کوئی شخص نہ تھا جو کلام کی قدر و قیمت کو سمجھتا اور محفوظ کرتا جاتا۔ اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضرت کا بہت تھوڑا کلام آج علمی دنیا کے سامنے ہے۔

خطوط کا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔ صدہا خطوط تو حضرت نے سفر حجاز اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں لکھے ہوں گے اور اس سے پہلے زندگی کا جو طویل دور گزرا تھا، کیسے سمجھ لیا جائے کہ حضرت نے اس دور میں کسی کو خط نہیں لکھا۔ مالٹا سے رہائی کے اور وطن واپسی کے بعد بھی مراسلت کے ذریعے ایک دنیا سے آپ کا تعلق رہا۔ بلاشبہ یہ دور بہت مختصر ہے اور وہ بھی علالت سے پُر رہا اور خواہ اس دور میں حضرت کی مکتوب نگاری کو کتنا ہی مختصر سمجھ لیا جائے لیکن یہ مختصر ذخیرہ بھی صرف چند خطوط تو نہیں ہو سکتے۔ آپ کے پورے دورِ حیات کے لحاظ سے آپ کے خطوط کی تعداد

ہزاروں سے متجاوز ہونی چاہیے لیکن میاں اصغر حسین رحؒ کی کوششوں کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ انھیں صرف آٹھ خط دستیاب ہوئے تھے۔ ایک خط ان کے اپنے نام تھا۔ ان کے ذوق علمی نے گوارا نہ کیا کہ ان خطوط کو چھپا کر رکھا جائے اور نہ یہ خیال ہی ان کے دل میں پیدا ہوا کہ ان خطوط کا ایک چند ورقہ کیا چھاپا جائے۔ انھوں نے ان آٹھ خطوط ہی کو چھاپ دیا لیکن ان کے انکسار کا عالم بھی یہ تھا کہ اپنے نام حضرت کا خط اس مجموعے میں شامل نہیں کیا۔ اس قسم کا انکسار سماجی زندگی میں بلاشبہ ایک بیش قیمت سرمایہ ہوتا ہے اور عام اخلاقیات کی ایک متاع بے بہا ہے۔ لیکن علم و تاریخ کو اس سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ یہ چیز غارت گر سرمایۂ تاریخ ہے۔

اب کہ ایک مدت کے بعد خاکسار نے اس امر کا عزم کیا تو اور متعدد حضرات کی کوششوں کے نتائج کو مجتمع کیا تو بھی خطوط کی تعداد ڈھائی درجن سے متجاوز نہ ہو سکی۔ پھر کیا یقین کر لیا جائے کہ حضرت کے ذوق مکتوب نگاری سے دنیائے علم و ادب و تاریخ کی قسمت میں بس یہی چند خط تھے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ دنیائے ادب و تاریخ کو حضرت کے افادات علمیہ سے محرومی کا یہ تلخ جام کیوں پینا پڑا؟ اس کے مختلف وجوہ ہیں:

۱۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے فکر و عمل سے تاریخ سازی کا کارنامہ تو ضرور انجام دیا لیکن ان کے اخلاص و ایثار کا یہ عالم تھا کہ اُسے اُنھوں نے اپنے کارناموں میں شمار نہیں کیا۔ انھوں نے تاریخ سازی کی تھی، تاریخ نگاری کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا۔

۲۔ ان کی للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ اخلاص فی العمل کے مال کے ضیاع کے اندیشے سے اپنی خدمات کو چھپایا اور ان پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کام کو اس کے صحیح وقت پر انجام دیا جائے۔ زمین میں بیج ڈالنے اور فصل کاٹنے کے موسم جدا جدا ہوتے ہیں۔ بیج کو اس کے موسم میں بونا چاہیے اور فصل کو اس کے وقت پر کاٹنے کی توقع رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی کام اس کے صحیح وقت پر انجام نہ دیا جائے تو اس میں صرف مشکلات ہی پیدا نہیں ہوتیں بلکہ نتائج کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کے آثار علمیہ کی جمع و فراہمی کا ایک وقت تھا۔ یہ کام حضرت

کی زندگی میں وقت کے ساتھ ساتھ انجام دیا جانا چاہیے تھا لیکن یہ حضرت کی وفات کے فوراً بعد بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس حادثہ عظیمہ کے ۶۸ برس بعد توجہ کی جارہی ہے۔ بلاشبہ ہمارے اخلاص اور عزم کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن یہ فصل کاٹنے کا وقت تو ہو سکتا تھا بیج ڈالنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ جن نسخہ ہائے وفا کی ہم تالیف کرنا چاہتے ہیں۔ وقت کے حوادث نے پہلے ہی اس کے ایک ایک ورق کو نہ صرف منتشر بلکہ ضائع کر دیا ہے۔

۴۔ بعض اوقات آثارِ علمیہ کی فراہمی میں مخلص کی بے جا عقیدت بھی مانع آتی ہے۔ کسی مخلص کے پاس کوئی اثرِ علمی موجود ہوتا ہے لیکن وہ اسے کسی کو دینا تو درکنار دکھانا بھی گوارا نہیں کرتا وہ اسے حرزِ جاں بنا کر رکھتا ہے۔ اس کی جدائی کا تصور بھی اس کے قلب پر شاق گزرتا ہے لیکن بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک مدت کے بعد وہ اثر ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ ممدوح سے بے جا عقیدت ہوتی ہے سچی عقیدت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اشاعت کا سرو سامان کر دیا جائے تاکہ وہ اثر محفوظ اور اس کا فیضان عام ہو سکے۔

غرض کہ یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضرت شیخ الہند کے آثار علمیہ میں سے تھوڑا سا کلام، چند فتوے، تقریباً ڈھائی درجن خطوط تک ہماری رسائی ہو سکی ہے۔

چوں کہ حضرت کے کلام کا مجموعہ الگ زیر ترتیب ہے۔ اس لیے اس کے متعلق اسی مجموعے ہی میں اظہار خیال مناسب ہوگا۔ حضرت کی فتویٰ نویسی کے باب میں چند گزارشات اس کے متعلقہ باب میں کی جائیں گی۔ یہاں صرف حضرت کی خطوط نگاری اور اس کے خصائص کے بارے میں چند معروضات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کے مکاتیب پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے موضوعات مختصر و محدود ہیں۔ بعض میں پند و نصائح ہیں بعض تعزیتی خطوط ہیں۔ اسارتِ مالٹا کے زمانے کے تمام خطوط خیریت طلبی اور اپنی اور رفقائے سجن کی خیریت کی اطلاع دہی کے مضامین میں ہیں۔ باوجودے کہ خود وطن سے ہزاروں میل دور اور قید میں ہیں لیکن متعلقین کو حالات پر صبر، رضائے الٰہی اور توکل علی اللہ کی تلقین فرماتے

ہیں میاں اصغر حسین کے نام مکتوب گرامی اہم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت اپنی تعلیم و تربیت کے نتائج اور جماعت کے اعضاو جوارح کو یک جا کرنا چاہتے ہیں تاکہ تحریک کے نئے دور کا آغاز کیا جا سکے۔ علامہ شبلی مرحوم کے نام خط تنظیم مدارس عربیہ کے سلسلے میں ہے اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام مکتوب انجمن خدام کعبہ کے سلسلے میں ہے[۱]۔ یہ نہایت اہم تاریخی خطوط ہیں۔

حضرت کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے قلب میں اسلامی ہمدردی اور رشتہ داروں سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر کسی کے غم میں شریک ہونے کا جذبہ دل میں موجزن تھا۔ کسی کی تکلیف یا دکھ کا سن کر حضرت بے قرار ہو جاتے تھے۔ بچوں سے کیسی محبت فرماتے تھے اور نوجوانوں کی بہ طریق نصیحت تعلیم و تربیت کا حضرت کو کتنا خیال تھا۔ عزیمت دعوت اور استقامت میں حضرت کے مقام کی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب گرامی کی ایک خوبی جو قاری کی توجہ کو فوراً اپنی طرف مرکوز کر لیتی ہے، وہ ہے حضرت کا کمال عجز اور نہایت انکسار۔ تین معاصرین، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت رائے پوری کو چھوڑ کر تمام مکتوب الیہ حضرت کے شاگرد یا خرد ہیں اور علم و فضل اور بزرگی اور تقویٰ میں آپ سے ان کی نسبت خاک کی عالم پاک سے نسبت کی مصداق ہے۔ لیکن حضرت کے مکاتیب پر نظر ڈالیے اور اس میں کسی ایک مکتوب الیہ کے نام مکتوب کی تخصیص نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ذرۂ ناچیز مقدس مقتداؤں کے حضور عرض و معروض کر رہا ہے اور ان کی دعاؤں اور توجہات کا طالب ہے۔ نفی ذات کی کیسی مثال بے مثال ہے۔ اگر نفی ذات ہی بزرگی اور مشیخت کا اثبات ہے تو حضرت کے مقام کی عظمت اور بزرگی کے ثبوت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

خطوط کی زبان سادہ برجستہ اور سلیس ہے۔ دلی جذبات آسان لفظوں اور سادہ

---

[۱] "انجمن خدام کعبہ۔ تاریخ اور مقاصد و خدمات" کے عنوان سے خاکسار کی ایک تالیف چھپ چکی ہے۔ حضرت شیخ الہند کا یہ مکتوب گرامی اس میں شامل ہے۔

طریق سے بیان کر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبارت کو مسجع و مقفیٰ بنانے سے احتراز پایا جاتا ہے۔ خطوط کی سادگی و پرُکاری ہی ان کا اصل حسن ہے۔

حضرت کے مکاتیب کے ادبی خصائص کے بارے میں میاں سید اصغر حسینؒ فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا کو لفاظی اور متصوفانہ عبارت آرائی، اظہارِ تصوف اور بزرگی و مشیخت سے خاص نفرت تھی۔ جو کچھ تحریر فرماتے تھے بالکل سیدھے سادے طریقے سے اور معمولی الفاظ میں۔ لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ انھیں الفاظ میں کیسے معنی بے بہا اور مضامین بے نظیر ودیعت فرمائے ہیں۔"[1]

خوش قسمتی سے حضرت کی دو قلمی تحریروں کے عکس بھی میسر آ گئے ہیں ان کے مطالعے سے حضرت کی تحریر کا ایک اور پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ ہے حضرت کا اندازِ کتابت یا املا

اردو تحریر و کتابت کا انداز مختلف ادوار میں مختلف رہا ہے۔ آج کسی لفظ کا املا جس شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ لفظ شروع ہی سے اس شکل میں لکھا جاتا ہو۔

اردو کے بے شمار الفاظ ہیں جن کا املا شمال و جنوب میں یکساں نہ تھا اس کے نشانات قدیم تحریروں میں بہ کثرت اور جدید دور کی تحریروں میں بھی خال خال نظر آ جاتے ہیں۔ زبان کی ترقی کے ساتھ املا میں یکسانیت پیدا ہوتی گئی لیکن املا کے اصول و قواعد کی طرف پھر بھی توجہ نہ کی گئی تھی۔ پھر اصول وضع کیے گئے اور جنوب سے شمال تک اور مشرق و مغرب میں انھیں اختیار کر لینے کی تحریک پیدا ہوئی۔ لیکن اگر پہلے کسی لفظ کا املا مختلف علاقوں میں مختلف تھا تو اب املا کے اصول میں اختلاف ہے۔

مختلف عہدوں میں یا ایک عہد کے بعض افراد میں ایک اختلاف اور نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ عام پڑھے لکھے لوگوں اور عربی اور فارسی زبان کے فضلا کے املا اور اندازِ کتابت میں فرق رہا ہے۔ الہلال میں مولانا ابو الکلام آزاد نے املا کا ایک نیا انداز اختیار کیا تھا جب کہ ٹھیک اسی دور میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے دوسری روش اختیار کی تھی

سرسید اپنے عہد میں ایک مستثنیٰ شخصیت تھے جو عربی اور فارسی زبان سے واقفیت کے ساتھ اردو لسانیات کا بھی خاص ذوق رکھتے تھے۔ ان کے بعد جو دور شروع ہوا جس کا سرا مولوی عبد الحق سے ملتا ہے، وہ درحقیقت سرسید کے دور یا ان کی پیدا کردہ لسانی تحریک ہی کا ایک تتمہ یا ایک حصہ ہے۔

---

[1] حیات شیخ الہند، ص ۲۶۴

لیکن خواہ ایک دور کے املاکو ہم بعد کے دور کے املا کے مقابلے میں رد کر دیں لیکن ہر دور میں املا کا ایک معیار رہا ہے۔ ولی کے دور میں ولی کا املا دکن کا معیاری اور مستند املا تھا۔ حاتم و آبرو کے دور میں شمال میں انھی بزرگوں کا املا معیاری تھا، غالب، سرسید اور حالی کے دور میں ان بزرگوں کی تحریروں کا انداز کتابت اس عہد کا معیاری املا تھا، بعد کا دور مولوی عبدالحق مرحوم کا دور کہلایا۔ اگرچہ مستثنیات ہر دور میں رہیں۔

حضرت شیخ الہند کا دور ادبی اور لسانی لحاظ سے سرسید کا دور تھا اور اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت کسی لحاظ سے بھی سرسید اور ان کی ادبی و لسانی تحریک سے متاثر تھے لیکن حضرت کے ادبی و لسانی ذوق نے تحریر و کتابت کے اسی انداز کی طرف رہنمائی کی تھی جو اس دور کا معیاری و مستند انداز تھا۔ وقت کی روش کے مطابق حضرت کی تحریریں یائے معروف و مجہول میں اور ہائے ہوز (ہ) اور ہائے مخلوط (ھ) میں فرق نہیں ہے۔ الفاظ کو ملا کر لکھنے کی روش عام ہے۔ اعراب بالحروف کا اہتمام کیا گیا ہے۔ بعض مواقع پر بعض الفاظ میں ہائے مخلوط کو تخفیف کر دیا گیا ہے مثلاً تمھو کے بجائے "تمو" اور مجھ کو کے بجائے "مج کو"۔

اُس زمانے میں اردو کا یہی معیاری املا اور کتابت کا یہی اسلوب عام تھا۔ آج کے دور میں یہ باتیں غیر معیاری اور اصول املا کے خلاف سمجھی جاتی ہیں لیکن اس زمانے میں غالب، سرسید، حالی، شبلی وغیرہ کی تحریروں کا تمام انداز کتابت یہی رہا ہے۔

حضرت کی تحریریں پیراگرافنگ کا اہتمام بھی نظر نہیں آیا۔ مطالب بدلتے رہتے ہیں لیکن عبارت کا تسلسل توڑنے اور نئی بات کو نئی سطر سے لکھنے کا اہتمام نہیں۔

اسلوب بیان و تحریریں اس دور کی ایک اور خوبی نمایاں ہے۔ آج ہم اپنی تحریریں جس مقام پر "کر کے" استعمال کرتے ہیں۔ سرسید اور حالی کے دور میں اس جگہ پر "کر کر" لکھا جاتا تھا۔ چوں کہ حضرت کا علمی و ادبی دور بھی وہی تھا اس لیے آپ کی تحریریں اس دور کی یہ خوبی پوری طرح نمایاں ہے۔

حضرت کے برادر خرد حکیم محمد حسن کے نام حضرت کا ایک خط عربی زبان میں بھی ہے اور اگرچہ یہ خط حضرت اور آپ کے رُقعا کی خیریت کی اطلاع اور اعزہ و اقربا کی خیریت طلبی، اسلام اور دعا کے مضمون میں ہے۔ اس سے عربی زبان میں حضرت کے اسلوب کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے یہ ایک یادگار اور تاریخی خط بن گیا ہے۔

(۶)

علامہ شبلی نعمانی:

حضرت علامہ شبلی عربی مدارس کے انتشار کو دور کر کے سب کو ایک نظم کے تحت لانا چاہتے تھے۔ چوں کہ اس زمانے (۱۹۱۱ء) میں ندوۃ العلماء کا اجلاس ہو رہا تھا' اس میں شرکت فرمانے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دی تھی۔

مکرم و الا درجت زید فضلکم

تسلیم مع التکریم!

بوجہ تشریف آوری حجاج بندہ کو دہلی، میرٹھ، سہارن پور جانا ہوا، اس لیے جواب میں تاخیر ہو ئی۔ آپ نے جو خیال لائق مدرس کی نسبت ظاہر فرمایا نہایت ضروری اور قابل اہتمام ہے اس کا بندوبست ہونا چاہیے۔ جیسا آپ نے تصاویر کا انسداد فرمایا، اسی طرح دیگر جزئیات کی طرف وقتاً فوقتاً آپ کی توجہ نہایت مفید اور مؤثر ہو گی۔

ایک مختصر مجمع میں جس میں چند حضرات بیرونی بھی شریک تھے حالات موجودہ پر کچھ بحث ہو ئی دو باتیں قابل اہتمام سمجھی گئیں:

اوّل یہ کہ مرکز بنایا جائے یا نہیں' اور بنایا جائے تو کس کو؟

دوسری یہ کہ اس کی صورت کیا ہو؟

امر اوّل کو موجودین نے منظور کیا اور بالاتفاق مسئلہ مرکز کو مستحسن کہا، تعیین مرکز کی نسبت جو رائے ہو ئی تو بعد گفتگو یہی قرار پایا کہ مدارس اسلامیہ بجز دیوبند اور کسی کی ماتحتی نہ پسند کر سکتے ہیں اور نہ یہ امر مناسب ہے۔

بقیہ حضرات سے استفسار کے بعد جو امر طے ہو گا اطلاع دوں گا

امر دوم یعنی اس سلسلہ کی صورت اور شرائط و قیود کیا ہوں گی، یہ لمبی بحث ہے جو جلسہ اراکین وغیرہ کے بدوں اس کا تصفیہ قابلِ اعتبار ناممکن ہے، بعد مشاورت اگر کوئی امر قابلِ عمل در آمد طے ہو گیا تو جناب کو اطلاع دی جائے گی آپ کسی تجویز مفید سے اطلاع فرمائیں تو غالباً اس وقت میں مفید ہو گی۔

مجھ کو یہ بھی خیال ہے کہ آپ کو اور ہم کو یونیورسٹی سے کیا تعلق رکھنا مناسب ہے

غالباً آپ نے کوئی امر ضرور مقرر فرمالیا ہوگا۔ والسلام

بندہ۔ محمود حسن۔ دیوبند

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ۔ (مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۱۱ء)

مولانا میاں سید اصغر حسین ؒ (۲)

(جمعیۃ الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس (ربیع الثانی۔ ۱۳۳۰ھ / اپریل ۱۹۱۲ء) میرٹھ کے بعد الرشید کے نام سے ایک رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میاں سید اصغر حسین ؒ کو خط لکھا گیا۔ میاں صاحب نے اس سلسلے میں بعض ترددات تحریر فرمائے۔ ان کے جواب اور اصرار میں حضرت شیخ الہند نے یہ مکتوب تحریر فرمایا۔ میاں صاحب نے حضرت کی درخواست کو قبول فرمالیا چناں چہ رجب ۱۳۳۱ھ (مطابق جون ۱۹۱۳ء) سے یہ ماہنامہ جاری ہوگیا۔ میاں صاحب اُس کے مدیر تھے۔ القاسم رجب ۱۳۲۸ھ سے ایک رسالہ جاری تھا اس کے مدیر پہلے مولانا حبیب الرحمن تھے بعد کو مولوی سراج احمد اس کے مدیر ہوگئے تھے۔ القاسم سے حضرت میاں صاحب کا تعلق نہ تھا۔)

برادر مکرم بارک اللہ فیکم وسلم!

بندہ محمود تسلیمات مسنونہ کے بعد ملتمس ہے۔ گرامی نامہ پہنچا۔ بندہ کو مادۂ سوداوی نے ستا رکھا ہے۔ ایسی حالت میں اپنی رائے پر رہا سہا اعتماد بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ سے مخلص مکرم سے اپنا خیال عرض کرنے میں تکلف بھی بے جا ہے۔ خط جو آپ کے پاس گیا تھا۔ اس میں یہ ضعیف بھی واقعی شریک تھا۔ آپ کا خیال واقعی درست ہے اوّل اپنا پریشان خیال آپ پر ظاہر کرتا ہوں پھر استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں عالم مشہود سے دور اور عالم برزخ سے قریب ہو رہا ہوں۔ اتنا فکر ضرور ہے کہ استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل اللہ اگر شافہہ کی نوبت آگئی اور پوچھا کہو! مدرسہ کس پر چھوڑا اور کس حالت میں ہے تو اس کا جواب ایسا دے سکوں جو پسند خاطر حضرت ہو۔ اس کی کوئی تدبیر نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلصین صلحائے لائق کے نام گنوادوں۔ سو آپ کی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے اصغر مگر حقیقت میں مقید اور اکبر کسی بہانے سے احاطۂ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ آپ نے جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں

باللہ العظیم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ آپ مشغلۂ تدریس سے یکسو ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ تدریس حالت موجودہ سے زیادہ نصیب ہو۔ میں تو آپ کے جلد بلانے کے لیے تدبیر موجودہ کو دراصل پسند کرتا ہوں یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سید صاحب مشغلۂ علمی سے یکسو ہو کر رسالہ بازی میں عمر صرف کریں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سردست رسالہ کی گاڑی سنبھالنے کو کافی لائق معتمد علیہ شخص ہو۔ کچھ عرصے کے بعد رسالے کے لیے انشاء اللہ بہت لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ اس وقت رسالے کی ابتدا اگر ہماری طرز و وضع اور خیال کے خلاف پڑ گئی تو اندیشہ کی بات ہے۔ اس وجہ سے بیشک یہ مستحسن نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالدار بالفعل بنا دیا جائے۔ اپنا خیال عرض کرتا ہوں حکم ہرگز نہیں۔ آپ کو پسند اور بے تکلف گوارا ہو تو سبحان اللہ ورنہ جو آپ کو منظور ہو ہم کو منظور ہوگا اور آپ سے بخدا کوئی خلجان یا ملال کا واہمہ بھی انشاء اللہ نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ آپ بالکل اپنے مدرسہ کے احاطہ کے اندر اللہ کا نام لے کر آ جائیں اور آہستہ آہستہ کام کیے جائیں انشاء اللہ آپ کے شغل تدریس کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ قصور نہ آوے گا اور شیخ چلی کا خیال اگر اعتماد کے قابل نہ ہو تو دو ماہ سے لے کر چھ ماہ تک کی رخصت لے کر تشریف لا کر رسالے کو ہمارے کہنے کے مطابق جاری فرمائیں۔ اس کے بعد جو صورت آپ پسند فرمائیں اس کے کرنے میں ہم آپ کی موافقت بلکہ متابعت خوشی کے ساتھ کرنے کو موجود ہیں۔ ان چند روز میں جو آپ کو رسالے کے متعلق تحریرات کی نوبت آئے گی اس کا حساب کیا جائے گا۔ کہ اتنی مدت کی تالیفات جونپور سے زائد ہوں گی یا کم۔ سو یہ میرا خبط ہے جو خیال کے قابل نہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہاں آپ کسی عنوان سے آئیں مگر غالباً وہ آزادی اور استقلال جو جونپور میں ہے آپ کو بوجوہ مختلف میسر نہ ہوگا مگر کیا کروں اپنے خیال خام کی وجہ سے جیسا خود مقید ہوں اپنے لائق مخلصین کو بھی مقید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ آپ بالکل مدرسہ اور خدام مدرسہ کے خیر اندیش اور بہی خواہ ہیں اور ہم خدام مدرسہ بالکل آپ کے خیر طلب اور دعاگو ہیں۔ خط آپ ہی ختم ہو گیا کاغذ ہی نہیں رہا۔ والسلام مع الاکرام[1]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی: (۳)

انجمن خدام کعبہ کے قیام (۱۹۱۳ء) کے سلسلے میں مشورے کے لیے مولانا فرنگی محلی نے

---

[1] حیاتِ اصغر بہ حوالہ تذکرۂ شیخ الہند

دیوبند کے سفر کی زحمت فرمائی تھی لیکن حضرت سے ملاقات نہ ہو سکی تھی تو خط تحریر کیا۔
حضرت نے اسی خط کے جواب میں یہ مکتوب ارسال فرمایا۔

مدرسہ اسلامیہ دیوبند ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۳۱ھ[1]

مخدوم و معظم محترم و مکرم عمّ فیضکم!

بعد سلام مسنون گزارش خدمت بابرکت ہے کہ افتخار نامہ سرمایۂ عزت ہوا۔ انجمن خدام کعبہ کے انعقاد اور اس کے مقاصد کا اجمالی علم رکھتا ہوں اور اُس کی نیک کوششوں کا معتقد ہوں جزاکم اللہ خیرا۔

بندہ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جناب نے اُس کے اغراض سے مطلع فرمانے کی غرض سے تکلیف بھی فرمائی تھی مگر اپنی غیر حاضری کی وجہ سے تفصیلی علم حاصل کرنے سے معذور رہا۔ بنابریں ضرورت ہے کہ بندہ جناب سے نیاز حاصل کر کے اوّل تفصیلی کوائف معلوم کرے اس کے بعد کوئی رائے عرض کرے۔ مجھے امید ہے کہ ابھی جناب میری نسبت کوئی فیصلہ نہ فرمادیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں کے مدرسہ وغیرہ کے تعلقات اور اُن کے سوائے اور بھی بعض امور پیشِ نظر ہیں جو عجب نہیں کہ خیالِ شرکت کے مزاحم ہوں۔ بہرحال اوّل ملاقات ضروری ہے۔ بندہ خود حاضر ہونے یا جناب کو تکلیف سفر دینے میں جلدی کرتا مگر معذوری یہ ہے کہ چند سفر ضروری درپیش ہیں اُن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے متعلق عرض کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ والسّلام

بندہ محمود دیوبند دوشنبہ

مولوی عزیز الدین ہوشیارپوری: (۴)

مکرمی سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ خط پہنچا۔ مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے۔ عزم روانگی کر رہا ہوں۔ جمعہ ہفتہ تک اللہ کو منظور ہوا تو روانہ ہو جاؤں گا۔ مولوی کریم بخش اور

---

[1] ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۱۳ء۔ انجمن خدام کعبہ کا قیام مئی ۱۹۱۳ء میں عمل میں آیا تھا اور اسی ماہ کے آخر میں یا جون کے شروع میں مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ نے وقت کے علما و مشائخ سے ملاقاتوں اور اسی باب میں مشورے کے لیے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا تھا۔

مولوی محی الدین صاحب، مولوی احمد حسین صاحب جناب مولوی عبید اللہ صاحب، مولوی عبد العزیز صاحب اور سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دینا۔

والسلام۔ فقط

بندہ

محمود دیوبند سہ شنبہ

بمقام قصبہ گلاوٹھی۔ ڈاک خانہ خاص

ضلع بلند شہر۔ مدرسہ عربیہ۔

طالب علم محمد عزیز الدین ہوشیار پوری کو ملے

مولوی سید احمد دیوبندی: (۵)

کسی کام میں بھی شوق و التزام اور استقامت کامیابی کے لیے اوّلین شرط ہے۔ حضرت نے کیسی بلاغت کے ساتھ نصیحت فرمائی۔ حضرت کا یہ مکتوب سفر حجاز کے دوران کا ہے۔ اور یقیناً ۱۹۱۶ء کا ہے۔

عزیزم مولوی سعید احمد عرف کلو سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا خط آیا حالت معلوم ہوئی، اس سے پہلے بھی تمھارا خط آیا تھا جس کا جواب مولوی ہادی حسن صاحب کے ہاتھ روانہ کر چکا ہوں، اب تمھارا دوسرا مفصل خط پہنچا پڑھ کر خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ تم کو بہمہ وجوہ خیریت سے رکھے اور اپنی محبت و عنایت فرماوے، دعا بندہ بھی کرتا ہے جو کام کرتے ہو اس کو التزام اور شوق و اطمینان سے کرو، گھبراؤ مت، شوق و التزام کے ساتھ کام کرنا ضروری بات ہے جلدی کرنا اور یہ توقع رکھنا کہ جھٹ پٹ کوئی مقصد حاصل ہو جائے

۱۔ مکتوب گرامی پر پوسٹ آفس دیوبند سے روانگی کی مہر ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کی ہے اور پوسٹ آفس گلاوٹھی میں پہنچنے کی مہر ۱۰ ستمبر ۱۹۱۵ء کی ہے۔ حضرت نے یہ خط سہ شنبہ کو تحریر فرمایا تھا۔ اور سہ شنبہ کو ۷ ستمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۲۷ شوال ۱۳۳۳ھ تاریخ تھی۔

اس سے بھی نقصان ہوتا ہے، بس صرف ذکر اللہ کو مقصود سمجھو اور اللہ کی رحمت سے امید رکھو، واللہ رؤف بالعباد، علم کی خدمت بھی کرتے رہو، استغفار کی پانچ چار تسبیح تمام دن میں پوری کر لیا کرو، ان امور کو جو پہلے سے کر رہے ہو سب کو برابر کیے جاؤ اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے، پریشان مت ہو جناب بھائی صاحب کی خدمت میں سلام عزیزم مولوی محمد یحییٰ اور حافظ محمد یونس اور گھر میں سب کو سلام کہہ دینا، اللہ تعالیٰ سب کو خیریت سے رکھے۔

والسلام فقط

مولانا اشرف علی تھانوی: (۶)

معدن حسنات وخیرات دام ظلکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

نامۂ سامی موجب مسرت و امتنان ہوا۔ جو ہوا کرے بلین و مخلصین کی ادعیۂ مقبولہ کا تم ہے، ادام فیوضہم وبرکاتہم۔ احقر اور رفقا و متعلقین بحمد اللہ خیریت سے ہیں سب کا سلام مسنون قبول ہو۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم فقط

بندہ محمود عفی عنہ از دیوبند

دوئم شوال (۱۳۳۵ھ[1]) روز یک شنبہ

۲ (۷)

سراپا فضل وکمال شرفکم اللہ تعالیٰ وجعلکم فوق کثیر من الناس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بارہا آپ کی خیریت معلوم ہونے کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک دو دفعہ بعض آیندگان کی زبانی آپ کی خیریت معلوم بھی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ آپ کو مع جملہ متعلقین خیریت سے رکھے۔ اس وقت ایک صاحب بنگالی مسمیٰ عبد المجید سے ملاقات ہوئی جو ہندوستان واپس ہو رہے ہیں اور جناب کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس

---

[1] ۲ر شوال ۱۳۳۵ھ بروز اتوار مطابق ۲۱ر جولائی ۱۹۱۶ء

لیے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔

بندہ مع رفقاء بحمد اللہ اس وقت تک بالکل خیریت اور اطمینان سے ہے۔ شروع رجب میں مکہ معظمہ حاضر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک یہیں حاضر ہوں۔ مجھ کو امید ہے کہ فلاح و حسن خاتمہ کی دعا سے اس دور افتادہ کو فراموش نہ فرما دیں گے۔ آیندہ قیام کی نسبت ابھی کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

مولوی شبیر علی صاحب، مولوی محمد ظفر صاحب، مولوی عبد اللہ صاحب وغیرہ حضرات سے سلام مسنون فرما دیجیے۔ مولانا مولوی یحییٰ صاحب و مولانا قمر الدین صاحب کی وفات سے بڑا افسوس ہوا۔ انا للہ۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ والسلام علیکم و علی من لدیکم۔ فقط

بندہ محمود عفی عنہ

منشی رفیق احمد صاحب کی خدمت میں سلام۔ خدا کرے ان کا رسالہ روبہ ترقی ہو۔

مکۃ معظمہ۔ ۱۲ر محرم ر ۱۳۳۵ھ[۱] چہار شنبہ

(۸)

۳

از احقر محمود عفا عنہ

بخدمت گرامی مکرمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب زید مجدہم و دام شرفہم

تسلیمات و تحیات مسنونہ کے بعد عرض ہے الزانیۃ کے تقدّم اور السارقۃ کے تاخّر کی نسبت چوں کہ بالتصریح حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی بات سنی ہوئی بندہ کو یاد نہیں اس لیے کچھ جواب دینے کی جرأت نہیں ہوتی اہل تفاسیر کے ارشادات جناب کو مجھ سے زائد معلوم ہیں پھر فرمایئے عرض کروں تو کیا کروں البتہ ملّاں کی تعریف میں داخل ہونے کی نیت سے یہ عرض ہے کہ سارق اور سارقہ فعل سرقہ میں ہر ایک مستقل ہے ایک کے فعل میں دوسرے کو دخل نہیں بخلاف فعل زنا کے کہ فعل واحد دونوں کا محتاج ہے کسی کو مستقل نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے سارق کو مقدّم فرمانا تو محل خلجان نہیں ہو سکتا کہ رجال اشرف اور اقوی ہونے کی وجہ سے تقدیم کے مستحق ہیں چناں چہ آیات قرآنی میں یہ تقدیم جا بجا موجود ہے حتی کہ صرف رجال پر اکثر مواقع

---

[۱] ۱۲ر محرم ۱۳۳۵ھ بروز بدھ مطابق ۸ر نومبر ۱۹۱۶ء

میں احکام و خطابات جاری فرمائے جاتے ہیں اور نساء کا ذکر تک بھی نہیں فرماتے تبعاً نساء کو داخل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ البتہ باعث خلجان یہ ہے کہ خلاف قاعدہ آیہ سورۂ نور میں زانیہ کو مقدم ذکر فرمانے کی کیا وجہ سو اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ بسا اوقات باعث تقدیم بیشک اولویت اور اقدمیت ہوتی ہے اسی کی وجہ سے رجال کو مستمراً مقدم کیا جاتا ہے

مگر کبھی یہ بھی ہوتا ہے کسی مصلحت کی رعایت سے ضعیف کو قوی پر مقدم کرنا عین حکمت بلاغت سمجھا جاتا ہے آیۃ "مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ" میں وصیۃ کو دین پر اسی وجہ سے مقدم فرمایا گیا حالاں کہ دین وصیت سے قوی ہے جبکہ یہ مسلم ہو چکا کہ تقدیم کبھی بوجہ قوۃ ہوتی ہے اور کبھی بوجہ ضعف تو اب یہ عرض ہے کہ ما نحن فیہ یعنی زانیہ کی تقدیم میں دونوں وجہ جاری ہو سکتی ہیں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر چند فعل زنا کو دونوں پر موقوف ہے مگر اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ محرک اوّل اس امر میں عورت ہی ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے ایسے انداز و حرکات صادر ہوتے ہیں جو رجال کو باعث رغبت و تہیج شوق ہو جاتے ہیں بدوں اس کے کہ عورت کی طرف سے کسی قسم کی ادنیٰ اعلیٰ تحریک ہو وقوع زنا نہیں ہوتا یا ہو تو شاذ و نادر ہو فقط زانیہ فرمانا مزنیہ نہ فرمانا بھی اس طرف مشیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ عورت کو لباس زینت و خوشبو کے ساتھ گھر سے نکلنا یا اجانب کے قریب ہونا بھی منع ہوا بخلاف رجال کے کہ ان پر یہ تشدد نہیں فرمایا گیا اور عورت کے تحرک کے بعد رجال سے ضبط و صبر ہونا شاذ و نادر۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کی طلب کو عورت بسا اوقات مسترد کر دیتی ہے مگر طلب نساء کو رجال سے روکنا نہایت دشوار اور نادر الوقوع نظر بریں وجوہ نساء اس بارہ میں اقوی اور اقدم ہیں اور لائق تقدیم۔

حضرات مفسرین کے ارشادات سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ رجال اس امر میں فاعل و مختار و قادر و نساء منفعل و مجبور حتیٰ کہ ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ تو رجال پر اکراہ علی الزناء کو معتبر بھی نہیں فرماتے تو عورت کی جانب ضعیف معلوم ہوتی ہے جس سے ممکن ہے کہ کسی کو اجراء حد زنا کا جو کہ اشد الحدود ہے نساء پر موجب رافت و درگذر ہو جائے اس لیے نساء کو رجال پر مقدم فرمانا مثل تقدیم وصیۃ علی الدین مطابق حکمت و بلاغت ہوا نیز وجہ ثانی کی مؤید۔ ایک وجہ وجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نساء کی نسبت زنا کی ادنیٰ سی تہمت بھی نعوذ باللہ اس قدر موجب ننگ و عار ہے کہ اس کا تحمل

معمولی آدمیوں سے توکیا خواص سے بھی سخت دشوار اب یہ الزام کسی عورت پر لگے اور حاکم کے روبرو جاکر سارے مراحل طے ہوکر علی الاعلان عورت پر حد زنا کو جاری کیا جاوے۔ اللہ اکبر اس قدر سنگین امر ہے کہ اولیاے مزنیہ تو درکنار تمام خاندان و اہل قبیلہ و اہل برادری کو بھی اس کا تحمل مالا یطاق نظر آتا ہے لا افضح قومی سائر الیوم شاہد بھی موجود ہے اس لیے عورت پر حد زنا جاری کرتے ہیں بالیقین سب ہی تساہل کریں گے بلکہ مانع ہونے کو مستعد ہوں گے تو اب اجرائے حد ہیں ان کو مقدم فرمانا تقدم وصیت علی الذین سے بدرجہا زائد قابل قبول ہونا چاہیے۔ واللہ سبحانہ اعلم ولاحول ولا قوۃ اللہ باللہ العلی العظیم[۱]

مولوی حاجی محمد احمد: (۹)

حاجی صاحب مرحوم کے نام پہلے چار خط ۲۹ شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۱۵ء سے قبل کے ہیں جب کہ حضرت نے سفر اختیار فرمایا تھا اور دیوبند سے روانہ ہوئے تھے۔

اخی فی دین اللہ الاوحد رزقکم اللہ علما نافعا و عملا متقبلاً

احقر محمود۔ سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ خیریت معلوم معلوم ہوکر اطمینان ہوا اور عزم سفر مبارک سے مسرت ہوئی حق سبحانہ آپ کو بخیر لاوے اور قبول فرماوے۔

وہاں کی خصوصیات سے یہ بات ہے کہ مکہ میں حرم شریف کی نماز باجماعت کا پورا التزام کیا جاوے اور وہاں کی حاضری اور کثرتِ طواف جد و جہد کے ساتھ کی جاوے اور مسجد نبوی کی بھی جماعت اور حاضری میں اہتمام ہو اور روضۂ مطہرہ کے سامنے جس قدر ہو سکے حاضر رہنا اور وہاں بیٹھنا نعمت کبریٰ سمجھا جاوے مگر جس قدر بیٹھنا ہو غایت تعظیم و حرمت اور توجہ تام اور شوق و خشوع کے ساتھ ہو باقی سفر میں اپنے کام میں مستعد اور ہوشیاری سے رہنا چاہیے۔ جس پر اطمینان نہ ہو اس کی شرکت سے اجتناب بہتر ہے۔ اگر سفر میں کسی قسم کی تشویش یا تکلیف پیش آوے تو گھبرانا نہ چاہیے بلکہ اس تکلیف کو بھی شوق و محبت

---

[۱] امداد الفتاوی، جلد ششم، صفحہ ۳۲-۳۳۲

کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔ حفت الجنۃ بالمکارہ ہر ایک حاجت عسر و یسر میں اللہ پر اعتماد ہو کسی سے کچھ توقع نہ کی جاوے۔

مکہ مکرمہ میں کوئی شخص جس کو خط لکھوں یاد نہیں آتا اور مدینہ طیبہ میں مولوی حسین احمد صاحب اور ان کے ہر دو بھائی موجود ہیں وہ انشاءاللہ آپ کی رفاقت کریں گے۔ ان کو خط کی حاجت نہیں اور ان سے جو حاجت ہو بے تکلف فرماویں وہ تعمیل کریں گے اور میرا اسلام بھی ان کی اور ان کے والد ماجد کی خدمات میں عرض کر دینا آپ کے خواب اوّل کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ باذن اللہ عالم میں اسلام کو فروغ ہو اور انوارِ سنت عالم میں جلوہ گر ہوں واللہ اعلم۔

بندہ حقیر آپ کے مطالب دارین کے لیے دعا کرتا ہے اور انشاءاللہ کرتا رہے گا۔ واللہ معکم این ماکنتم۔ والسلام فقط

مواقع متبرکہ اور اوقات مخصوصہ میں بندہ کو دعائے خیر سے گاہ گاہ یاد کر لیا جاوے۔ واللہ لایضیع اجر المحسنین۔ مولانا مسعود احمد صاحب خیریت سے ہیں مدرسۂ دیوبند میں خیریت ہے۔ والحمد للہ۔

---

۲ (۱۰)

برادرِ مکرم بارک اللہ فیکم وعلیکم۔

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے مولوی کفایت اللہ صاحب کے خط سے آپ کی تشریف بری کی خبر معلوم ہوئی تھی خط لکھنے کا ارادہ کرتا تھا مگر پورا پتا معلوم نہ تھا۔ الحمدللہ آپ کے خط سے خیریت اور دیگر حالات معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ بخیر و خوبی اس سفرِ مبارک طویل کا انجام پذیر ہو جانا حق تعالیٰ کا انعام ہے فلہ الحمد والمنۃ۔

بچے کے انتقال سے افسوس ہوا مگر کچھ مضائقہ نہیں آپ کا فرطِ خیر مکہ میں رہا جس سے خیر و فلاح کی توقع ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماوے آمین۔

اللہ کے فضل سے جب آپ کو اس وقت فراغت ہے تو ضرور رجم کر کسی کارِ خیر میں لگ جائیں۔ حیاتِ دنیوی کا کچھ اعتبار نہیں آدمی سے جو کچھ ہو سکے اس میں دریغ نہ کرے ؎ ”دمے
زغفلت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش“

مگر آپ تمام جوانب پر نظر ڈال کر بیٹھے کر لیں کہ مقام کہاں مناسب اور سہل ہو گا

چوں کہ اہلیہ بھی معیت میں ہیں اس لیے تامل کر لینا بہتر ہے وطن میں سہولت ہوتی ہے عورات اور اطفال کو باہر رہنے میں دقت ہوتی ہے۔ آپ تو یہاں رہے ہوئے ہیں۔ آپ کو انشاءاللہ پریشانی نہ ہوگی۔ بہتر ہو تو آپ ایک دو مرتبہ استخارہ بھی کر لیں اور پھر جو رائے ہو اس کو قائم کریں۔ یہ بھی خیال کر لیجیے کہ وہاں کے قیام میں وہاں کے لوگوں کو ہدایت ہو جانے کی توقع ہے اور بدعات میں اور لوگوں کی جہالت میں کمی ہونے کی امید ہو سکتی ہے اتنے میں آپ بہنوں کے عقد سے فارغ ہوں۔ اس عرصے میں ان امور کو بالطمینان طے فرمالیویں۔ آپ کی تحریر کے موافق در بارۂ طلبی ایک تحریر روانہ کیے دیتا ہوں آپ جملہ جوانب سے مطمئن ہو کر اگر یہاں آنے کی ہی رائے قائم ہو جاوے تو اس تحریر کو دکھلا دیں۔

تازہ سانحہ یہ گزرا کہ میری بڑی لڑکی عوارض اسقاط میں انتقال کر گئی۔ آپ اس کی مغفرت کی دعا ضرور فرما دیں۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے آپ کے قیام کی وجہ سے وہاں کے مدرسے میں کسی حد تک ترقی ہو سکے گی۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ برس روز چھ مہینے کے لیے آجاویں اور اس کے بعد وطن چلے جاویں اور پھر وہاں کی باتوں کو انجام دیں۔ بہر حال جو صورت مناسب اور مفید تر نظر آوے اسے معین فرماویں۔ واللہ ولی التوفیق۔ والسلام۔ فقط

بندہ محمود عفی عنہ۔ جمعہ

---

(۱۱)

۳

برادرِ معظم اکرمکم اللہ وسلم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے۔ عرصہ کے بعد آپ کا عنایت نامہ صادر ہوا۔ آپ کی خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت کے ساتھ اپنی مرضیات کی توفیق روز افزوں عنایت فرماوے۔

آدمی کو لازم ہے کہ وقت کو ضائع نہ کرے اپنی وسعت کے موافق نیک خیال میں لگا رہے اور جہاں رہے۔ ہر وقت مفید کام سے غافل نہ ہو۔ بندہ بھی بحمد اللہ خیریت سے ہے اور مدرسے میں بھی سب خیریت سے ہیں۔

خواب مبارک و مفید ہیں۔ اول خواب میں اس امر کی ہدایت معلوم ہوتی ہے کہ آدمی کو صرف اپنے نفع پر اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ خلق اللہ کی نفع رسانی ہر امر خیر میں ملحوظ

رہے۔ خوابِ دوم میں اس امر کی طرف تنبیہ ہے کہ جملہ مرغوبات نفس صرف زندگی تک نظر آتے ہیں بعد حیات کار آمد نہیں آدمی کو ایسے کاموں کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے جو بعد میں کام آویں۔ تیسرے خواب میں اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ بحمد اللہ آپ کی طلب مقبول اور آپ کی دوستی اور تربیت اور اصلاح عند اللہ ملحوظ ہے اور آپ کو کسی مقبول بندہ سے نفع پہنچے گا۔

مزنی حضرات امام شافعی کے بلا واسطہ شاگرد رشید اور غالباً امام طحاوی کے ماموں ہیں۔ اکابر علما اور مشاہیر میں سے ہیں رحمتہ اللہ علیہ۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ فقط

مولوی حسین احمد صاحب دیوبند میں مقیم ہیں بعد رمضان عزم مدینہ طیبہ مصمم رکھتے ہیں[1]

بندہ محمود عفی عنہ۔ یکشنبہ

---

۴ (۱۲)

مخدوم بندہ دام فضلکم

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے ذی قعدہ کے آخیر میں آپ کا گرامی نامہ مع بلٹی پہنچا تھا۔ بندہ گنگوہ وغیرہ چلا گیا جواب میں اس لیے تساہل ہو گیا۔ لیموں اور ادرک بجنسہ پہنچ گئی۔ مفتی صاحب مہتمم صاحب اور بعض حاجیوں کو بھی پہنچا دیا گیا۔ لیموں بہت بڑے تھے اور ادرک تازہ عمدہ

باقی بندہ بحمد اللہ خیریت سے ہے اور مدرسہ میں بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے اور فلاح دارین عطا فرماوے۔ مولوی محمد شفیع صاحب سے سلام فرما دیجیے مولوی حسین احمد صاحب کی مکہ سے خیریت آگئی مدینہ طیبہ سے کوئی خط نہیں آیا۔ ڈاک بھی بند معلوم ہوتی ہے حرب و ضرب کا طول بڑھتا جاتا ہے تشویش

---

[1] اس خط میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کے تیسرے سفر ہند کے بعد واپسی مدینہ منورہ (۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء) کی طرف اشارہ ہے۔ اگلے خط میں اشارہ حضرت شیخ الاسلام رح کے مکہ مکرمہ بہ خیریت پہنچ جانے کی اطلاع ہے۔

میں ترقی ہے۔ اللہ تعالےٰ انجام بخیر کرے۔ مولوی محمد میاں دیوبند میں ہیں خیریت سے ہیں۔ بعض تدابیر میں مشغول ہیں مقدمہ کے لیے روپیہ کی بھی فکر میں ہیں اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادے اپنے اوراد التزام سے کیے جائیں۔ حق سبحانہٗ استقامت نصیب کرے۔ مولوی عزیز گل گھر گئے ہیں۔ مولوی خان محمد صاحب خیریت سے ہیں ان کا سلام قبول ہو۔ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیے۔ والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ شنبہ

---

۵ (۱۳)

حضرت شیخ الہند کا یہ گرامی نامہ ستمبر ۱۹۱۵ء کا یادگار ہے۔ حضرت حجاز تشریف لے جارہے تھے اور بمبئی میں جہاز کے انتظار میں مقیم تھے

مکرم بندہ! السلام علیکم

آپ کا خط اس وقت ملا جب کہ میں جہاز پر سوار ہونے کے لیے لب دریا پڑا ہوں۔ اس وقت سند لکھنے سے مجبور ہوں۔ انشاء اللہ دوسرے وقت لکھ دوں گا۔ آپ کی ہمشیرہ خدیجہ عائشہ اور جو درخواست کریں اور آپ مناسب سمجھیں ان کی بیعت قبول کرتا ہوں اللہ تعالیٰ برکت دے سب کو صبح و شام کا وظیفہ معہ تاکید نماز وغیرہ فرمادیجیے۔ سعی فی الدین کا خیال رہے۔ اللہ مددگار ہے آپ کے لیے انشاء اللہ دعا کرتا رہوں گا۔ آپ بھی دعا فرماتے رہیں۔ اور سب سے سلام فرمادیجیے۔ والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ بمبئی شنبہ

---

۶ (۱۴)

(حضرت کا یہ مکتوب سامی عین اسارتِ مالٹا کے زمانے کا ہے)

برادر مکرم و محترم مد فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا محبت نامہ ۱۴؍ صفر کا آٹھ نو ماہ کے بعد ذی قعدہ کے شروع میں مجھ کو ملا۔ بہت ہی مسرت ہوئی۔ آپ کی یاد آوری کا ممنون اور آپ کی خیریت معلوم ہونے سے مسرور ہوں۔ الحمد للہ۔

بخاری شریف، ہدایہ وغیرہ کتب کی تدریس سے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت دے اور اپنے بندوں کو آپ کے فیض سے مستفیض فرماوے یہ عاجز حق سبحانہٗ تعالیٰ کی دعا سے مع جملہ رفقاء بہمہ وجوہ خیریت سے ہیں۔ مولوی حسین احمد صاحب مدنی، وحید احمد ان کا برادر زادہ، مولوی عزیر گل مولوی حکیم نصرت حسین۔ یہ چار حضرات میرے ساتھ ہیں۔ سب خیریت سے ہیں۔ اور سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

جس کاغذ پر یہ خط لکھ رہا ہوں انھیں پر خط لکھنے کی اجازت ہے اس لیے سند حدیث اس وقت ارسال کرنے کا موقع نہیں خدا ے تعالےٰ کو منظور ہے تو دوسرے وقت آپ کے فرمانے کی تعمیل ہو جائے گی۔ آپ طلبہ کو سند دیجیے اس میں تامل نہ فرمائیں بندہ کی سند یہ ہے کہ بندہ کو حضرت مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ سے ان کو حضرت شاہ عبد الغنی مہاجر مدنی رح اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری سے ان دونوں حضرات کو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے ان کو حضرت شاہ عبد العزیز رح سے ان کو اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح سے رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی سند کتابوں میں اور علما میں مشہور ہے اس کے لکھنے کی حاجت نہیں۔

آپ احقر کے لیے دعاے عافیت دارین فرماتے رہیں بندہ بھی آپ کے لیے دعا کرتا ہے۔ تولدِ فرزند سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ عمر اور سعادت دارین عطا فرماوے۔ ایک تعویذ لکھتا ہوں اس کو لکھ کر عزیز معصوم کے گلے میں ڈال دینا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وہامۃ ومن کل عین لامۃ تحصنت تحصن الف الف لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اصحاب سورت خدا کرے سب خیریت سے ہوں۔ سب کی خدمت میں سلام مسنون پہنچا دیجیے۔ والسلام مع الاکرام۔ بندہ محمود حسن

مالٹہ۔ سینٹ کلیمنٹ براکس ۲۸؍ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ[1] مسمہ ۲۲۱۹

---

[1] مطابق ۴؍ ستمبر ۱۹۱۸ء

مولانا حکیم محمد حسن:

(۱۵)

(حکیم صاحب مرحوم حضرت شیخ الہند کے برادرِ خرد تھے۔ حضرت نے پہلا مکتوب گرامی سفرِ اسارت کے دوران میں مصر سے لکھا تھا۔ دوسرا نامۂ گرامی مالٹا پہنچنے کے بعد کا ہے۔ مالٹا میں حضرت ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو پہنچے تھے۔)

من قاہرۃ مصر۔ المعتقل السیاسی بجیزہ۔

إلی جناب الأخ السعید المولوی الحکیم محمد حسن سلّمہ اللہ تعالیٰ

آمین۔ بعد مزید السلام علیکم و علی سائر الأہل و الأولاد و الأقارب، والدعوات الصالحۃ لہم۔

فاعلموا أنی مع الرفقۃ بکل خیر و سلامۃ و أرجو من فضل اللہ أن تکونوا بالصحۃ تامۃ و عافیۃ کاملۃ فینبغی لکم أن تکونوا علی طمانینۃ کاملۃ من جہتی و من جہۃ الرفقۃ عسی اللہ أن یجمعنا جمیعا بأسر احوال و أسرع زمان و سلموا الی سائر الأہل و الأقارب و الأحباب و من ہہنا یسلم علیکم حسین احمد و المولوی عزیر گل و وحید احمد و المولوی حکیم نصرۃ حسین صاحب۔ و أخبرونا من صحتکم۔ ہٰذا و السلام ختناما۔ تحریرا فی ۱۲ من ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ [1]۔ و سلموا امنا علی سائر اہل المدرسۃ و الأحباب و طمنوا خواطرہم و لا تنسونا من الدعوات الصالحۃ۔

محمود حسن عفی عنہ

(۱۶)

۲

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین

اخ معظم اکرمکم اللہ و سلّم

کل انتظار مدید کے بعد آپ کا خط ساتویں جمادی الاوّل کو لکھا ہوا ہم کو مالٹا میں ملا۔ سب کی خیریت مجمل معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ الحمد للہ۔ عزیز مسعود کے بعد چھ ماہ میں آپ

---

[1] مطابق ۶ جنوری ۱۹۱۷ء

کا خط آیا۔ بہت غنیمت معلوم ہوا بقول شخصے ؎

یوں اسیران قفس تک پہنچا کوئی گلبرگ
جیسے غربت میں شفیقان وطن کا کاغذ

چند خطوط میں نے اور بعض رفقا نے اور بھی روانہ کیے ہیں غالباً پہنچے ہوں گے بالجملہ ہم سب بحمداللہ خیریت سے ہیں اور راحت سے ہیں۔ آپ کو خط لکھنے کے پندرہ بیس روز بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے کچھ ترقی کر کے مالٹا آ گئے۔ مسافت تو کچھ بڑھ گئی مگر تکلیف کچھ نہیں بلکہ یہاں راحت زیادہ ہے۔ الحمدللہ گو اس عرصے میں حالات وطن سے بے خبری رہی مگر دور دراز کے وہ حالات معلوم ہوئے جو خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ آدمی جب تک زندہ ہے حرکت زمانی تو کسی وقت رکتی نہیں مگر حرکت زمانی اور مکانی دونوں مل کر بہت سے انکشافات جدیدہ کی موجب ہو گئیں۔

ستبدی لك الایام ما کنت جاھلاً
ویاتیك بالاخبار من لم تزود

(ترجمہ:۔ عنقریب زمانہ بہت سی نامعلوم باتیں تجھ پر ظاہر کر دے گا اور تجھے وہ شخص خبر دے گا جسے تو نے کوئی توشہ اور اجرت بھی نہیں دی۔)

متعدد اسباق و دیگر مشاغل میں اچھی طرح گزر رہی ہے۔ اور "و ترجون من اللہ ما لا یرجون" کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہیں کہ جو کسی وقت منقطع ہو جائے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ گھر میں سب کو اور مکان میں بچوں کو سلام کہہ دینا فقط والسلام۔

بندہ محمود عفی عنہ ۳۲۱۹ھ

قاضی مظہر حسین:

(۱۷)

اس خط کے مضمون سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط اسارت مالٹا کے زمانہ اوائل کا ہے۔

مخدوم و مطاعم جناب بھائی مظہر حسین صاحب دام ظلکم۔

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض رسا ہے کہ والا نامہ موجب عزت ہوا بندہ بحمداللہ خیریت سے ہے احمد حنیف کے خط سے حال مرض اہلیہ جناب کا معلوم ہو کر فکر تھا،

اب جو خط آئے ان سے حال انتقال معلوم ہو کر ملال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور سب کو صبر دے۔

معلوم نہیں حافظ مختار کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں، گھر سب سے سلام و دعا فرما دینا، ہمارے یہاں خرچ کی ضرورت ہو تو آپ ان کو دے دیں انشاء اللہ ادا ہو جائے گا، مولوی حسین احمد، مولوی عزیر گل مولوی وحید سلام عرض کرتے ہیں، مکرمی مولوی الطاف کریم صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔ والسلام۔ فقط

بندہ محمود عفی عنہ ۱۹ ذی قعدہ[1]

مقدمات کی حالت معلوم ہوئی، اللہ تعالیٰ فضل فرما دے، اللہ کی رحمت پر نظر رکھو، گھبراؤ مت۔

نواب رشید الدین خاں؛

(۱۸)

عزیزم عالی قدر والاشان دام لطفکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ

بندہ مع جملہ رفقائے کرام اللہ کے فضل اور احباب کی دعا سے اس بعید و بغیض دیار میں خیریت اور عافیت سے ہے، والحمد للہ ثم الحمد للہ

مختلف اصحاب کے خطوط بندہ کے پاس آتے رہتے ہیں جن سے مکرمین اصحاب کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے، مگر مراد آباد سے کسی صاحب کا کوئی خط نہیں آیا اور نہ کسی نے اپنے خط میں ان کی خیریت تحریر کی، اس لیے آپ حضرات کی خیریت معلوم ہوتے کا بہت انتظار رہتا ہے مجبور ہو کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں، دیوبند سے برابر خطوط آتے رہتے ہیں مگر کسی نے آپ صاحبوں کا کچھ تذکرہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہاں سے کوئی دیوبند نہیں گیا۔

چند ماہ گزرے ایک خط ہندوستان سے میرے پاس پہنچا، خط اور طرز تحریر بتایا تھا شبہ ہوا کہ یہ خط کسی صاحب نے مراد آباد سے بھیجا ہے مگر کوئی امر یقین دلانے والا نہ تھا، اور بہرحال اب آپ کو لکھتا ہوں کہ اپنی اور اپنے جمیع متعلقین کی خیریت سے مطلع فرمائیں اور سب کی خدمات میں درجہ بدرجہ سلام مسنون فرما دیں۔

---

[1] ۱۹ ذی قعدہ (۱۳۳۵ھ) مطابق ۶ ستمبر ۱۹۱۷ء

رضا و شجاع کیا پڑھتے ہیں، خدا کرے خیریت سے ہوں، مدرسۃ الغرباء[1] میں مہتمم اور اساتذہ کی خدمت میں سلام، مدرسہ امدادیہ میں اگر کوئی مدرس بندہ کے واقف بھی ہوں اور بندہ کے یاد دلانے سے سمجھ بھی جائیں تو سلام عرض کر دینا، اور جملہ واقفین میں جس کو چاہو سلام پہنچا دینا، میرے رفقا آپ کی اور سب کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام

فقط۔ محمود حسن ۲۲۱۹/م۔
ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ[2]
مالٹا۔ سینٹ کلیمنٹ براکس

حافظ زاہد حسین امروہوی:

(۱۹)

ھو الرحمٰن الرحیم ۵

سراپا فضل و کرم دام لطفکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ سراپا شادمانی ہوا۔ جناب کی یاد آوری کا مشکور ہوں۔ اور اس پر متاسف ہوں کہ اس سے پہلے جو آپ نے خطوط بھیجے قسمت کی نارسائی سے ایک بھی نہیں ملا۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ یہ دور افتادہ کسی مخلص کو ابتداءً خط لکھنے سے عملاً کبھی کچھ رو کتا ہے، مگر جس قدر ابتدا کرنے سے قاصر ہوں اس سے زیادہ جواب دینے میں چست ہوں۔ خطوط کا حال ایسا ہی ہے جو مل گیا مل گیا۔ نہ ملا نہ ملا! جتنی چاہے بھی اس وقت تک نہیں پہنچی۔ ان مخلصان مراد آباد اور مکرمان امروہہ شریف کی خدمات میں سلام عرض کر دیجیے جن کو یہ ناکارہ یاد رہ گیا ہو اور جو بھول گئے ہوں سو خیر۔ بالخصوص مدرسین امروہہ۔ اور مراد آباد سے ضرور سلام عرض کر دیجیے۔

خوب یاد آیا سنبھل جناب منشی صاحب[3] کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچا دیجیے۔

---

[1] مدرسہ شاہی مراد آباد کا قدیم نام (مولانا نسیم احمد فریدی)

[2] ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ کا مہینہ ۱۸ر ستمبر تا ۱۶ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کے مطابق تھا۔

[3] منشی حمید الدین صاحب سنبھلی حضرت نانوتویؒ کے متوسلین میں سے تھے۔ مفتی عزیز الرحمٰن)

اگرچہ ایک کارڈ صرف ہو۔ خدا کرے آپ سب حضرات خیریت سے ہوں۔ احقر کے پاس کارڈ یا خط بھیجنے میں ٹکٹ لگانا فضول ہے۔ جملہ رفقا اور ان کے طفیل سے یہ ناکارہ بحمد للہ خیریت اور راحت سے ہیں۔ آپ کی اس موٹی مراد آبادی جلے نماز نے بہت کام دیا۔ آپ کی عنایات کو یاد دلاتی رہتی ہے۔ یہ تو فرمائیں مولانا مرحوم[1] کے صاحبزادے کس شغلے میں ہیں کتب ضروریہ سے فارغ بھی ہو چکے؟ اللہ کرے بخوبی فارغ ہو کر اپنے مقدس بزرگوار کے پیرو ہوں۔ جملہ رفقا آپ سب حضرات کو سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ آپ کے کارڈ پر تاریخ نہ تھی مگر ہم کو اخیر محرم میں ملا۔ یہ عریضہ ۲۹ محرم کو روانہ کرتا ہوں۔ جناب سید صاحب بالاجمال سب جگہ کو خیریت لکھ دیں۔ مناسب ہے سنبھل بھرالیوں، نگینہ وغیرہ۔ والسلام علیکم۔

مالطہ سینٹ پراکس ۲۹ محرم ۱۳۳۷ھ[2]

محمود حسن ۲۲۱۹

---

۲ (۲۰)

سراپا فضل و کرم دام لطفکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا گرامی نامہ ۶ شعبان ہم کو ذی الحجہ میں وصول ہوا۔ ممنون فرمایا۔ آپ کی اور جمیع حضرات امروہہ، مراد آباد، سنبھل، نگینہ، حسن پور، بھرالیوں کی بالاجمال خیریت معلوم ہوئی۔ الحمد للہ وجزاکم اللہ۔

مکرر کیا عرض کروں۔ اس قدر بُعد پر اپنے مکرمین و احباب سے تعلق میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے بالاجمال بھی خیریت معلوم ہو کر یک گونہ سکون ضرور ہو جاتا ہے اور حوادث ہندوستان معلوم ہو کر مکرر پریشانی ہوتی ہے۔ جب کسی کی خیریت معلوم ہوتی ہے یک گونہ اطمینان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو

---

[1] مولانا سے مراد حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی۔ متوفی ۱۳۳۰ھ۔ صاحبزادے مولانا قاری سید محمد رضوی عرف مولانا بنے میاں تھے۔

[2] ۲۹ محرم ۱۳۳۷ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۱۸ء

عافیت دارین عطا فرمائے۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مردے کے تعلق سے گو احیاء کے قلوب میں یکسوئی یا غفلت آجاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے مگر غالباً اموات کے تعلق قلبی میں کمی نہیں آتی گو کسی حال میں ہوں۔ واللہ اعلم

جب سے بعض خطوط سے معلوم ہوا ہے کہ مولوی احمد شاہ صاحب بوجہ ضعف و مرض ترک تعلق کر کے وطن آگئے۔ باربار خیال آکر ملال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور ان بزرگوں کی برکت سے ان کو جملہ افکار و تکالیف سے محفوظ رکھے۔ الحمد للہ قاضی صاحب بخیر اپنے مرکز پر قائم ہو گئے۔ ان کے خط کے جواب میں ایک عریضہ روانہ کیا تھا خدا کرے کہ پہنچ گیا ہو۔

غالباً آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ رفیق جان نثار مولوی سید نصرت حسین بماہ ذی قعدہ پیش قدمی کر کے راہی آخرت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ رحمت اور مغفرت فرماوے ان کی والدہ صاحبہ کو اطلاع کر دی تھی۔ کوئی ان کا خط ابھی تک نہیں آیا۔ باقی سب رفیق بخیریت ہیں۔ آپ کو اور سب کو سلام عرض کرتے ہیں۔

آپ کی دال اور گوشت کی پارسل سے خوشی ہوئی۔ مگر اس وقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ آپ کو تحریر جواب میں بھی اس لیے تاخیر کی کہ پارسل آجاویں تو آپ کو رسید بھی پہنچ جاوے۔ مگر افسوس ہے کہ اس وقت تک نہیں پہنچا۔

احباب مراد آباد کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ جو صاحب پارسل بھیجنے کا ارادہ فرماویں ان کو منع کر دیجیے۔ اوّل تو چنداں حاجت نہیں۔ دوسرے اس قدر مسافت میں ضائع ہونے کا خطرہ۔ تیسرے سینٹھ پھیڑ فی شروع ہے رفتہ رفتہ متفرق طور پر لوگ جا رہے ہیں۔ سو یہ احتمال ہے کہ پارسل کہاں پہنچے۔ مرسل الیہ کہاں ہو؟

مولوی کفایت اللہ[1] صاحب سے بعد سلام مسنون فرما دیجیے کہ اپنی سعی کو اس زائد امر میں صرف نہ فرمائیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی مخلص کا کوئی پارسل آتا ہے تو مسرت ہوتی ہے کہ علامتِ محبت ہے۔ باقی سعی اور ترغیب یقیناً مکروہ معلوم ہونی چاہیے۔ مولوی امین[2] الدین و جملہ ان کے مدرسین کو سلام۔

---

[1] مراد مفتی کفایت اللہ صاحب [2] باقی مدرسہ امینیہ دہلی

قاری سید محمد صاحب[1] کو سلام مسنون۔ کاش آپ یہ بھی لکھ دیتے کہ کتب درسیہ سے فارغ ہو گئے۔ اور اب یہ مشغلہ ہے والسلام وفقط

اپنے مدرسے اور دیگر مواقع ہیں جہاں سلام پہنچا سکیں پہنچا دیجیے۔

محمود حسن ۲۲۱۹

مالٹہ۔ سینٹ کلیمنٹ براکس۔ ۲ صفر ۱۳۳۸ھ[2]

مولانا حکیم عبد الرشید عرف ننھو میاں:

(۴۱)

قرۃ العیون والقلوب عزیز از جانم بارک اللہ سبحانہ فیکم وعلیکم

خادم ناکارہ مگر قدیم تسلیم مسنون و دعائے ترقی علم و عمر کے بعد ملتمس ہے۔ آپ کا خط تیرہ صفر اخیر ربیع الثانی میں مجھ کو ملا۔ ایک غیر مترقبہ نعمت معلوم ہوا۔ اور نصف ملاقات سے بھی زیادہ مسرت بخش محسوس ہوا۔ اللہ تعالی تم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور اپنے اکابر کا نمونہ اور سچا جانشین کرے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

پیارے ننھو! میرے بعض رفیق کہتے ہیں کہ ننھو کے قلم سے سطور سیدھی اور حروف ایسے درست ہرگز نہیں نکل سکتے۔ یہ خط کسی دوسرے کا لکھا ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تو ان کے ابا جان کا قلم ہے۔ عمداً آپ کے خط میں ننھو کی طرف سے لکھ دیا ہے۔ میں ان کی تخمین کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایک موقع پر لفظ محرم پر خط کھینچ کر اس کے اوپر جو سرخی سے ذی حجہ لکھا ہے۔ یہ تو ابا جان کا قلم ہے۔ اس کے سوا اول سے آخر تک میاں ننھو کی دستکاری اور گہر افشانی ہے۔ ماشاء اللہ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہ۔

ابا جان کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر میری رائے صحیح ہے تو گستاخی معاف میاں ننھو کو و کالتہ میری طرف سے انعام دینا لازمی ہے۔ مقدار جناب کی رائے پر موقوف ہے۔ میں زندہ پہنچ گیا تو مع الزیادہ مجھ سے وصول کر لیجیے ورنہ مدیون کے ساتھ دَین کو بھی مردہ سمجھ لیجیے

اب سنو! کچھ عرصہ ہوا محمد حنیف کے خط سے جناب حافظ صاحب کی وفات کا حال معلوم

---

[1] مراد حضرت محدث امروہی کے صاحبزادے جناب قاری سینے میاں صاحب۔ (مفتی عزیز الرحمن)

[2] مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء

ہو کر خدام کو صدمہ ہوا۔ پھر حافظ عزیز حسین کے خط سے اس کی تصدیق ہوئی اب تمہارے خط سے اس حادثے کے ساتھ عزیزہ مرحومہ کا سانحہ جاں گزا معلوم ہو کر وہ صدمہ ترقی کر کر کہیں جا پہنچا۔ اللہ اللہ وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھ کو تو مرحومہ کی شادی کی بھی خبر نہ ہوئی تھی۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ شادی اور بیوگی سب ہی سے چند ایام میں مل کر کے اسلاف صالحین کے جوار میں پہنچ گئی۔ واقعی حیات دنیا سے دل کو افسردہ کرنے والا ان واقعات سے زیادہ اور کوئی امر نہیں۔

دیوبند وغیرہ سے بھی واقعات جدیدہ کی خبریں افسردہ کن، صدمہ رساں معلوم ہوئیں۔ اللہم استر عیوبنا ولا تہلکنا بذنوبنا۔ اس وقت تغیرات مختلفہ کا اس قدر ہجوم ہے کہ تمام عالم میں پریشانی عام ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کا پورا منظر سامنے ہے۔ اللہ تعالے رجوع کی توفیق دے۔ ورنہ یہ مصیبت سب سے زاید ہے۔ العیاذ باللہ اللہم الف بین قلوبنا۔

والدین مجدین کی خدمت میں اور مخدومہ پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کر دو اور جملہ مخلصین کی خدمت میں بھی۔ رفقا بھی خدمات میں سلام عرض کرتے ہیں۔

مولوی محمد صدیق کو بعد سلام معلوم ہو کہ الحمد للہ آپ خوش قسمتی سے ایک مقدس احاطے میں آپہنچے۔ اللہ کا انعام سمجھو اور قدر کرو۔ صلاحیت و اطاعت کو شعار بناؤ۔ مولوی سعید سلمہٗ، کی خدمت میں سلام و نیاز کے بعد عرض ہے کہ چند کتب جو دینیات کی ہیں، جس طرح ہو سکے ہمت کر کے ان پر عبور بھی کر لو جیسا پہلے کیا ہے۔ ان سے محرومی محض بڑا ظلم ہے۔

دیوبند یا سہارن پور جہاں چاہو غایت مانی اصاب۔ فارغ اوقات میں شکار ہی سہی۔ خوب جانتا ہوں۔ ایک کمزور آواز اور اتنی دور کی کون سنتا ہے۔ مگر مجبور۔ حافظ محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ روانہ کرتا ہوں۔ فقط والسلام۔

محمود حسن ۲۲۱۹

سینٹ کلیمنٹ بیرا کس۔ مالٹا

۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ[1]

---

[1] مطابق ۸ فروری ۱۹۱۹ء

مولوی محمد حنیف:

(۴۲)

۱

(یہ خط مکمل نہیں۔ صرف اقتباس ہے)۔
ہیں اور جملہ رفقا اطمینان سے ہیں۔ حق تعالیٰ بخیریت آپ سے ملاوے دعا کرتے
ہے۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ جملہ رفقا جس عزم اور ہمت سے میرے ساتھ ہوئے
اسی عزم پر پختہ ہیں۔ بعض موقعوں پر بعض صاحبوں کو ہیں تے چھوڑنا بھی چاہا کہ
لیوں میری وجہ سے مفت دقت ہیں پڑتے ہو مگر کسی نے علیحدگی گوارا نہیں کی
بلکہ ہر طرح سے میری راحت اور تقویت ہیں مستعد ہیں گویا اپنے گھر بیٹھا ہوا ہوں۔
کو کچھ فکر کرنا نہیں پڑتا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ
خدا اگر بحکمت بہ بندد درے :. کشاید بہ فضل و کرم دیگرے۔
اکثر یاد آجاتا ہے۔

(۴۳)

۲

عزیز محترم اسعدکم اللہ واکرم السلام علیکم ورحمتہ اللہ
پہلے بھی کئی خط روانہ کرچکا ہوں۔ تمہارے بھی کئی خط آئے۔ بحمد اللہ خیریت
سے ہوں۔ اور جملہ رفقا بھی خیریت سے ہیں۔ جمادی الثانی کے شروع پر تمہارا
رسلہ گوشت پہنچا عجیب چیز معلوم ہوا کئی برس کے بعد گائے کا گوشت نظر آیا۔ کچھ
میں کسی قدر بو آتی تھی مگر پکنے کے بعد اچھا ہوگیا مزے سے کھایا چوں کہ گوشت کا قدر دان
اور شائق اپنی جماعت میں صرف میں ہی ہوں اس لیے باوجود دانتوں کی کمزوری کے
اوروں سے زیادہ کھایا۔ تم نے جو چوغے بھیجے تھے ان کی رسید اسی وقت تمہارے
پاس روانہ کردی تھی۔ مولوی زاہد حسن صاحب امروہی نے سب کے واسطے متعدد
کرتے اور پاجامے سلوا کر اور بہت سی چائے اور چاول وغیرہ اشیا بھیجی تھی اس کی
رسید بھی ان کے نام روانہ کرچکا ہوں۔ تمہارے پاس خط پہنچ جائے تو تم بھی ان کو مطلع
کردینا۔ میرا سلام چھوٹوں بڑوں سبھی کو پہنچا دینا اور جملہ رفیق آپ کو اور سب کو سلام
عرض کرتے ہیں۔

اسیروں کے متعلق تحریکات شروع ہیں۔ حق سبحانہٗ کو منظور ہے تو جلد یا کچھ د
بعد نتائج بھی ظاہر ہو جاویں گے۔ اللہ بس باقی ہوس والسلام۔
۴ رجمادی الثانی ۱۳۳۷ھ[1]

مولانا محمد رفیع عرف بھولو و مولانا محمد عثمان:

(۷۸)

میاں بھولو، پیارے عثمان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
کئی مہینے ہوئے تمہارا کوئی خط نہیں (آیا) تعجب ہے کہ متعدد خطوط سب
نام روانہ ہو چکے ہیں مگر کسی کا خط نہیں آیا، میرا خط پہنچے یا نہ پہنچے مگر لازم ہے ک
ہر ہفتہ خیریت کا خط بھیج دیا کرو، اگرچہ خطوط میں چند خدشے ہیں اس لیے ہر
خط کا پہنچ جانا ضروری نہیں، مگر یہ بھی نہیں کہ سب کے سب تلف ہو جاو
اور ایک بھی نہ پہنچے، ہیں اور تمام رفیق بحمد اللہ خیریت اور راحت سے ہیں
پڑھنے لکھنے وغیرہ مشاغل میں مصروف ہیں، خدا کرے، آپ سب خیریت سے
اپنی بڑی ماں[2] اور سب کی خیریت سے بتفصیل اطلاع دو، حکیم صاحب[3] اور محمد حسن
سلمہا سے بعد سلام کہہ دو کہ اپنی خیریت سے مطلع کرو، سب بھائیوں کو، سب
بڑوں کو دعا و سلام پہنچا دو۔
تمام واقف کاروں اور پوچھنے والوں کو جس کو چاہو سلام کہہ دینا، اللہ تع
جلد مع الخیر آپ سے ملا دے، سب رفیقوں کا سلام پہنچے، عزیزم محمد نبی[5] وغیر
کو سلام۔ والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ۔
مالٹہ سینٹ کلیمنٹ براکس ۲۲۱۹ء

---

[1] ۴ رجمادی الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۷ رمارچ ۱۹۱۹ء
[2] حضرت شیخ الہند رح کی اہلیہ محترمہ مراد ہیں۔ [3] حکیم محمد حسن صاحب برادر خرد حضرت
شیخ الہند رح [4] برادر حضرت شیخ الہند رح [5] غالباً مولانا محمد نبی خان جہانپوری مرحوم
ہیں۔ (مولانا نسیم احمد فریدی)

[حضـ]ـرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ:

(۲۵)

الحمدللہ علی کل حال واعوذ باللہ من حال اھل النار

[مخدومنا] کہف الغرباء وملاذ الضعفاء مد فیوضکم ودامت برکاتکم ۔ خاکپائے مکرمین تسلیم مسنون کے
[بعـ]ـد ملتمس ہے ۔ اس وقت بحمداللہ آٹھ نو خط اپنے مکرمین اور مخلصین کے اکٹھا مجھ کو ملے
[سـ]ـب کی خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی والحمدللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ یہ جملہ خطوط محرم کے
[لکـ]ـھے ہوئے تھے جو مجھ کو جمادی الاولیٰ میں ملے اور یہ عذر کیا گیا کہ یہ خطوط لندن گئے تھے وہاں سے اب آئے
[ا]س لیے تاخیر ہو گئی۔

اپنے خیر اندیش احباب کے حکم کو رد کرنا کبھی پسند نہیں کیا ۔ بالخصوص جس کا منشا محض
[ہمـ]ـدردی احقر ہو بالخصوص جناب کا ارشاد کہ جس کا خاص اور ممتاز اثر اپنے اوپر محسوس کرتا
[ہـ]ـوں اس لیے عرض ہے کہ جناب مطمئن رہیں انشاءاللہ تعالیٰ سب کو نعم اور تسلیم ہی
[جو]اب دوں گا مگر سوچتا ہوں کہ جناب کے موثر ارشاد توجہ آمیز کا کیا جواب عرض کر دوں یہی
[عـ]ـرض مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کی نسبت اگر کوئی امر قابل استفسار آئندہ معلوم ہو تو
[مجـ]ـھ سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں جناب کی رائے میں جو امر احقر کے مناسب حال ہو
[و]ہ انشاءاللہ مجھ کو مسلم ہوگا سب احباب کو مطمئن کر دیجیے ۔ میں کہاں رہنا پسند کرتا ہوں ۔
[ایک] دو دفعہ اس کے متعلق مجھ کو کچھ کہنے کی نوبت آئی ہے گو وہ بھی ارشادِ محبّین کے زیادہ مخالف
[نہ] تھا مگر آئندہ کو انشاءاللہ ارشادِ مکرمین کی حتی الوسع زیادہ پابندی کروں گا واللہ یفعل ما یشاء۔

جناب نے بہت فقرے ایسے تحریر فرمائے کہ پڑھنے سے محجوب ہوتا ہوں اُن کا جواب
[کـ]ـیا عرض کروں ۔ بس جو تحریر فرمایا ۔ برسر ۔ ہاں اتنی گستاخی کرتا ہوں کہ جیسے ارشاد اُرجع
[الـ]ـی ربک الخ کا اتباع نہ کروں گا ایسے ہی اذکرنی عند ربک کے امتثال سے بھی

[لـ]ـے حضرت شیخ الہند ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا پہنچے تھے ۔ اس کے بعد پہلا محرم
۱۳۳۶ھ ۱۷ اکتوبر تا ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کے مطابق تھا جس میں یہ خطوط لکھے گئے ہوں گے ۔ اور جمادی الاولیٰ
۱۳۳۶ھ ۱۲ فروری تا ۱۳ مارچ ۱۹۱۸ء کے مطابق تھا جس میں یہ خطوط پہنچے ۔ گویا ان خطوط کے
ہندوستان سے لندن اور پھر سنسر کے بعد مالٹا پہنچنے میں تقریباً پانچ ماہ لگ گئے

[لـ]ـہ یعنی اگر بلا درخواست آزادی دی گئی تو قبول کرنے میں حجت نہ کروں گا اور اپنی طرف سے کوئی تدبیر نہ کروں گا

معذور سمجھا جاؤں۔ حضرت اور جملہ مکرّمین کی دعاے بہبودی دارین کا محتاج ہوں دیگر ہیچ
احقر اپنے انھیں قدیمی مشاغل میں یہاں بھی مصروف ہے آج کل دو سبق پڑھا لیتا ہے
اور ترجمہ کچھ کر لیتا ہوں۔ احزاب تک پہنچ گیا ہوں۔ میرے مخلصین رفقا کا سب کا سلام و
شوق قبول فرمایئے اور سب کے لئے دعاے خیر ضرور کیجیے جن کی وجہ سے ہر طرح کا اطمی
وراحت حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا ایسے موقع مکرر پیش آئے کہ کل نہیں تو اکثر رفقا عم
اس حالت سے نکل سکتے تھے مگر باوجود احقر کی تاکید کے، ایک نے بھی اس کو منظو
نہ کیا بس یہاں فکر ہے تو انہیں حضرات کی طرف سے ہے اور اس ناکارہ کی رستگاری
جو بڑا نفع نظر آتا ہے وہ بس یہی ہے اللہ تعالیٰ خیریت سے ان صاحبوں کو اپنے ما
میں پہنچائے اور ان کی وجہ سے ناکارہ کا بھی انجام بخیر ہو۔

منتظمین دارالعلوم دیوبند:

(۲۶)

گر بمانیم زندہ بردوزیم۔ جامۂ کز فراق چاک شدہ
در بمردیم عذر دل بپذیر۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
برادران و مکرمانم رزقکم اللہ خیراً و حفظکم شراً و ضیراً

بندہ محمود سلام مسنون کے بعد عرض کرتا ہے۔ آپ حضرات کے آٹھ نو خط جو غال
سب ۲۳ محرم اور ۱۰ نومبر کے لکھے ہوئے تھے بندہ کو سب کے سب اب دو مارچ کو م
اور یہ عذر کیا گیا کہ تمہارے یہ خطوط لندن گئے تھے وہاں سے اب واپس آئے اس لئے تاخیر
ہوئی۔ مسٹر برن[1] صاحب غالباً ایک ہفتہ سے کم مالٹا میں قیام پذیر نہیں رہے اور اسی عرص

---

[1] مسٹر برن یو پی کے گورنر مسٹر مسٹن کے سکریٹری تھے۔ انگلستان جاتے ہوئے ایک خاص مشن
پر مالٹا پہنچے تھے اور حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقا سے ملاقی ہوئے تھے۔ اندازہ یہ کرنا تھا کہ اگر
پہلو سے کوئی کمزوری ظاہر ہو معافی کے طلب گار ہوں یا ہندوستان جا کر سیاست سے الگ رہنے کا یقین
دلائیں جیسا کہ ہندوستان میں شمس العلما حافظ محمد احمد اور ان کے ہم خیال بزرگوں نے یقین دلایا تھا، تو
ان کی رہائی کی سبیل نکالی جائے۔ لیکن مسٹر برن کو اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ مسٹر برن جنوری کے آخر یا
فروری ۱۹۱۸ء کے شروع میں مالٹا پہنچے تھے۔ ارباب دارالعلوم کے خطوط ۲ مارچ ۱۹۱۸ء کو پہنچے تھے۔

میں انھوں نے مجھ سے اور میرے رفقا سے بیانات لیے اور سب نے اُن کے استفسارات کے جواب دیے مگر صاحب موصوف نے حالات گذشتہ کے متعلق اکثر سوالات کیے تھے اُس کے مطابق جواب بھی دیے گئے۔ یہ امر جو آپ حضرات کے خطوط سے اب معلوم ہوا اس کا اصلا تذکرہ نہیں آیا سو اِس کا جواب آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں یہ اللہ کو معلوم ہے کہ آپ تک کب اور کیوں کر پہنچے۔ الغرض جو تاخیر ہوئی یا آیندہ ہو اس میں میں معذور رہوں میری طرف سے قصور نہیں۔

آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا خلاصہ دو امر سمجھا ہوں۔

اول ہندوستان آنا منظور کرلوں۔

دوسرے وہاں پہنچ کر اپنے قدیمی مشاغل میں معروف اور حسب طرز قدیم سیاسیات سے الگ تھلگ رہوں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ میرے مخلص مجھ سے دریافت کرنے سے پہلے ہی ہز آنر سے میری نسبت ان امور کا وعدہ بھی کر چکے ہیں سو میرے مخلص جو میرے قدیم طرز و تعلقات سے واقف ہیں اُن کو میرا صرف ہاں یا نعم کہہ دینا اُن کے اطمینان کے لیے بالکل کافی ہے اس کی حاجت نہیں کہ طویل مضمون لکھوں۔ مگر تغیرات کا ہجوم ہے اس لیے صرف اپنے مخلصین کے مزید اطمینان کے لیے اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ گو میں حد خرافت تک پہنچ چکا ہوں مگر اتنا خوب سمجھتا ہوں کہ دوستوں کا اس شان سے مجھ کو پھر ہندوستان میں بلانا اور میرے جملہ افعال کی کفالت کرنا باہم مترادف ہیں۔ علیٰ ہذا میرا ہندوستان کی مراجعت کو قبول کرنا اور اپنے احباب کے متعلق تمام ان کی خیر اندیشوں کو اپنے سر لینا دونوں مساوی ہیں سو حاجت سے زائد لکھ دیا کیونکہ الحمد للہ میرے صحیح مخاطب ہیں یہ آپ حضرات کی جملہ تحریرات کا جواب ہے جو مجھ کو آپ کی پریشانی سے متاثر ہو کر دینا ضروری ہوا۔ اس کے بعد اتنی مختصر عرض اور ہے کہ جو کچھ دردسری آپ صاحبوں نے کی عالم سر و خفیات اس کی جزا آپ کو دے۔ لیں پر جو نتیجہ ہونا ہوگا ہو کر بات ایک طرف ہو جاوے گی۔ اب آپ حضرات اور جملہ احباب اللہ پر نظر رکھیں اور ہرگز پریشان نہ ہوں۔ آپ کی پریشانی کا اثر اپنے اوپر پاتا ہوں ورنہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ اس وقت تک عافیت دارین کے ساتھ مطمئن ہوں کسی طرف نظر نہیں جاتی وہ قوی و قدیر جس کے حکم سے نارِ مشتعل برد و سلام ہو جاوے کیا وہ مالٹا جیسی ارض بعداء و بغضاء کو کسی نالائق کے لیے ہندوستان کی

برابر نہیں کرسکتا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ؎

مولانا حافظ حبیب الرحمٰن (سیوہارہ):

(۲۷)

یہ مکتوب سامی مکتوبات شیخ الاسلام کے دیباچے سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرتب و دیباچہ نگار مولانا نجم الدین اصلاحی نے لکھا ہے کہ انھوں نے اصل مکتوب دیکھا ہے اس پر یہ دونوں شعر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں، تبرکاً یہ دونوں شعر بھی اس طرح رہنے دیے گئے ہیں۔

"گفتن آں طوطی کہ آنجا طوطیاں   چوں بہ بینی کن زحال من بیاں

کہ فلاں طوطی کہ مشتاق شما است   از قضاء آسماں در حبس ما است"

سراپا عنایت و کرم عافاکم اللہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ

آپ کا جوابی کارڈ جس پر تاریخ و مہینہ کچھ نہ تھا، موسم حج کے بعد آخر ذی الحجہ پر بندہ کو ملا، اوّل تو ہمارے پاس جو خط آتا ہے، اس کا محصول معاف ہے، آپ نے ناحق دو کارڈ ضائع کیے، دوسرے ہم لوگ بجز اس کارڈ کے جس پر آپ کو خط لکھ رہا ہوں، کسی دوسرے کاغذ پر خط نہیں لکھتے، اس لیے آپ کا جوابی کارڈ تبرکاً رکھ کر اس پر آپ کو جواب لکھ رہا ہوں۔

مکرما! آجکل جو تغیرات عالم میں پیش ہیں ان پر بے تکلف مقولہ حضرت شیخ علیہ رحمہٗ کہ

یاراں فراموش کردند عشق

صادق آتا ہے، لیکن حسب ارشاد قرآنی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ عالم میں ان حوادث کے ظاہر فرمانے سے حق سبحانہ تعالیٰ رحیم و کریم کی یہی حکمت ہوتی ہے، کہ جو بندے دنیا اور معاصی میں منہمک ہیں ان کو تنبیہ ہو، اور دنیاوی خرافات سے ہٹ کر فکر آخرت کی طرف رجوع کریں اور دنیا کی محبت سے باز آئیں، ؎

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں سن لو   ہر تغیر سے ندا آتی ہے فافہم فافہم

ان حوادث گوناگوں کو دیکھ کر بھی اگر ہم کو تنبیہ نہ ہو تو پھر ہم سے زیادہ بدقسمت اور محروم کون ہوگا، ہم کو نظر عبرت سے اور غور سے ان کو دیکھنا چاہیے، اور ہمت اور

ستقلال کے ساتھ اس کی اطاعت میں کمر بستہ ہوجانا چاہیے اور جملہ معاصی سے متنفر اور
یکسو ہونے میں کوشش کرنی چاہیے اور دعائے توفیق میں مشغول رہنا چاہیے۔
بندہ آپ کے لیے دعا خیر کرتا ہے، آپ بھی دعاے خیر سے یاد رکھیں، آپ
سے ہوسکے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ ولا ملجاء ولا منجاء من اللہ الا الیہ تین تسبیح روزانہ
اطمینان پڑھ لیا کریں، معلوم نہیں آپ حج کو گئے یا نہیں، خدا کرے آپ بامراد
واپس ہوچکے ہوں، باقی سب خیریت ہے، والسلام، فقط
سب رفقا سب کو سلام فرماتے ہیں۔ مولوی رضا حسن صاحب کو معلوم
ہو کہ مکرم رفیق مولوی سید نصرت حسین صاحب بماہِ ذی قعدہ[۱] مرض نمونیہ میں وفات
پاچکے، انا اللہ ولہ ما اخذ۔ مالطہ ۱۳۳۸ھ محمود حسن عفی عنہ

مولوی عبد الغفور (سیوہارہ): (۲۸)

مکرم بندہ سلمکم اللہ تعالیٰ
بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے، عنایت نامہ موصول ہوا حضرت
رائے پوری رحمہ اللہ نے جو آپ کو تعلیم فرمایا، اس کو بالالتزام کرنا ضروری ہے،
اگر طبیعت کاہلی کرے تو بالجبر اپنے معمولات کو پورا کرو۔ کسی وقت طبیعت نہ لگے
تو بھی اپنے معمولات کو ناغہ مت ہونے دو، کسی وقت پریشانی زیادہ ہو تو غسل
کرنا ٹھنڈے پانی سے مفید ہے، نیز پریشانی کے وقت اس دعا کو چند بار پڑھ
لیا کرو۔

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب

---

[۱] حکیم سید نصرت حسین کوڑہ جہاں آباد کے رہنے والے حضرت شیخ الہند کے مخلصین اور
جاں نثاروں میں تھے۔ انھیں چھوڑ دیے جانے کی پیش کش کی گئی تھی حضرت نے بھی اجازت دے
دی تھی لیکن ان کے اخلاص وعقیدت نے حضرت کو قید میں چھوڑ کر خود رہا ہوجانا گوارا نہ فرمایا۔
۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۶ر اگست ۱۹۱۹ء کو نمونیہ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا مالٹا ہی
میں تدفین عمل میں آئی۔ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ خط اکتوبر ۱۹۱۹ء یا اس کے بعد کا ہے۔

اللھم نقنی من الذنوب کما نقیب الثوب الابیض من الدنس اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد۔

بالجملہ ہمت اور شوق سے کام کرو، اور کاہلی دفع کرنے میں جدوجہد سے کام لو، دعا بندہ بھی کرتا ہے، مولوی حسین احمد صاحب، مولوی عزیر گل صاحب سفر پر ہیں۔ حافظ حبیب الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون والسلام۔

بندہ محمود دیوبند ۱۰ ر ذیقعدہ۔[1]

اہل خاندان:

حضرت کے چند خطوط کے اقتباسات میاں اصغر حسین رح نے حیات شیخ الہند میں دیے ہیں ان میں چوں کہ مکتوب الیہ کی شخصیت کا تعین نہیں ہوتا اور ان میں مکاتیب کی شان بھی نظر نہیں آتی۔ اس لیے ان اقتباسات کو من وعن درج کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں کوئی واضح علامت نظر آئی وہاں فصل قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان مکاتیب کے مضمون خیریت طلبی اور صبر و توکل علی اللہ اور دیگر نصائح پر مشتمل ہیں۔

۱۔ ایک خط میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"دو پارسل پہنچے ایک میں پان اور چھالیا اور دوسرے میں صرف چھالیا تھی تم نے جو نوں کے جوڑے بھیجے تو سب کے واسطے۔ وہاں قربانی کی تو سب کی طرف سے۔ پھر یہ پارسل ایسا کیوں بھیجا جس سے ایک کے سوا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اتنی دور سے پارسل آوے اور ایک کے سوا کسی کو اس سے نفع نہ ہو، تعجب کی بات ہے۔ تھوڑا سا ادرک یا زیرہ یا گٹے یا بنا شتے ہی رکھ دیے ہوتے تاکہ سب کی ناک میں خوشبو ہی پہنچ جاتی یا رال ہی میٹھی ہو جاتی"

---

[1] حضرت علیہ الرحمہ کا یہ خط مالٹا سے رہائی اور وطن مراجعت کے بعد ۱۰ ر ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۶ ر جولائی ۱۹۲۰ء کا یادگار ہے۔

دونوں طرف کے خطوط بیبتسر کی وجہ سے بہت تاخیر سے پہنچتے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"... مگر اتنی مدت میں پہنچا کہ سخت تعجب ہوتا ہے کہ اتنی تاخیر کا کیا باعث ہوا۔ تم نے ۲ رجمادی الاولی ۱۳۳۷ھ کو روانہ کیا اور ہم کو ۴ ۲ صفر ۱۳۳۸ھ کو ملا۔ حمل کی مدت معتاد سے بھی بڑھ گیا۔ مگر الحمدللہ کہ وصول ہو گیا یہ بھی غنیمت ہے۔"

۲- ایک دوسرے خط میں بھی اسی کا تذکرہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"تمہارے پندرہ سولہ خط اکٹھے ہو کر مجھ کو صفر کے اخیر میں ملے شوال۔ ذی قعدہ، ذوالحجہ۔ ان چاروں مہینوں کے خطوط تھے۔"

۳- ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"دنیا میں کوئی چیز یوں ہی نہیں ہو جاتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اس کا کرنے والا حق تعالٰے ہے، ہر کام میں اس کی حکمتیں اور رحمتیں ہیں جن کو وہی جانتا ہے۔ تمام دنیا کو اس نے پیدا اور آباد کیا۔ پھر ایک دن سب کو فنا کر دے گا اور پھر سب کو نئے سرے سے پیدا کرے گا اس کے ہر حکم کو حق سمجھنا چاہیے۔ راحت ہو یا مصیبت ہمت کر کے سر پر رکھ لینا چاہیے۔ اور اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔"

"خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا اسی پر نظر رکھو اور اسی سے دعا کرو۔ دنیا کے تمام قصے بھلے اور برے ختم ہو جانے والے ہیں اس لیے زیادہ خیال کرنے کے لائق نہیں۔ صبر اور سکوت سے جس طرح ہو سکے اپنے دن گزارو اور اللہ کی رحمت سے متوقع اور اس کی ناراضی سے ڈرتے رہو۔"

"دنیا بہت گندی اور ناپائیدار ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھنا بالکل غلط ہے۔ جو احسان کرے اس کا احسان ماننا چاہیے اور اللہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے کسی بندے سے ہم کو نفع پہنچایا۔ اور جو احسان نہ کرے اس کی شکایت ہرگز نہ چاہیے۔"

"بات قابل فکر صرف یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اپنے فضل سے ہم سب کا خاتمہ

ایمان پر کرے اور کوئی امر قابل فکر و اندیشہ نہیں۔ آدمی کی سعادت اور خوش قسمتی بس یہی ہے کہ اپنے اللہ رحیم کریم کو کسی حال میں نہ بھولے اور جہاں تک ہو سکے اس کے حکم مانے۔ باقی کوئی چیز چنداں اعتبار کے قابل نہیں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم"۔

"حق سبحانہ جو تکلیف ڈالتا ہے اس کے سامنے قریٰ محصنہ اور بروج مشیّدہ رقع عنکبوت سے زیادہ کام نہیں دیتے اور جو راحت دیتا ہے اس کے آگے غربت و بے کسی و درماندگی و بے دست و پائی سب ہباءً منثوراً بن جاتی ہیں ؎

گرانست توقیع احسان اوست
ورانیست منشور احسان اوست"

۴- ۱۳ رجب ۱۳۳۷ھ کو تحریر فرماتے ہیں:

"کچھ تحریکات جو پہلے سے شروع تھیں اب ان کا کچھ ظہور ہو رہا ہے مگر بہت آہستگی سے بہرحال سلسلہ شروع ہے حق تعالیٰ کو جو منظور ہے لا بد ایک روز پورا ہو ہی جاوے گا۔"

"بندہ کی سعادت مندی اس میں ہے کہ مالک حقیقی کے حکم کو گو وہ نفس پر کتنا ہی شاق ہو بصبر و رضا سر پر رکھ لے اور اس کی رحمت پر بھروسہ رکھے۔ پریشان نہ ہو۔ اس کی قدرت و رحمت میں سب کچھ ہے اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز لاعلاج نہیں۔ تکلیف کو راحت راحت کو تکلیف کر دینا اس کو ہرگز دشوار نہیں۔"

۵- ایک صاحبزادی کے انتقال کا ذکر شروع کے کسی مکتوب میں آچکا ہے اہلیہ محترمہ کو ان کے متعلق ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اپنے آگے چلی جانے والی لڑکی کو ثواب رسانی سے مت بھولیو قلیل کثیر جو ممکن ہو وقتاً فوقتاً اس کو ثواب میں یاد رکھو۔"

☆

حضرت شیخ الہند کے خطبات

خطبۂ صدارت

اجلاسِ تاسیسی جامعہ ملیہ اسلامیہ (نیشنل یونیورسٹی)

منعقدہ علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا؛

اما بعد جلسوں کی عام روش کا اقتضا یہ ہے کہ میں سب سے پہلے اس عزتِ صدارت پر جو ایک نہایت ہی سرفروشانہ ایثار اور شجاعانہ جد وجہد کرنے والی جماعت کی طرف سے مجھ کو مرحمت ہوئی ہے۔ شکر گزاری اور منت پذیری کا اظہار کروں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ شکریہ چند وقیع اور شاندار الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مجھ کو محض رسمی اور مصنوعی ممنونیت کی نمائش اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش کر سکتی ہے جو فی الحقیقت آپ نے اس عزت افزائی کے ضمن میں مجھ پر عائد کی ہے۔ دو چار پھڑکتے ہوئے جملے بلاشبہ عارضی طور پر مجلس کو محظوظ کر سکتے ہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ میری قوم اس وقت فصاحت وبلاغت کی بھوکی نہیں ہے اور نہ اس قسم کی عارضی مسرتوں سے اس کے درد کا اصلی درماں ہو سکتا ہے اس کے لیے ضرورت ہے ایک قائم ودائم جوش کی۔ نہایت صابرانہ ثباتِ قدم کی۔ دلیرانہ مگر عاقلانہ طریق عمل کی۔ اپنے نفس پر پورا قابو پانے کی غرض ایک پختہ کار بلند خیال اور ذی ہوش محمدی بننے کی۔

حضرت شیخ الہند کی صدارت میں یہ اجلاس ۲۹؍اکتوبر ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا تھا اجلاس کا انتظام مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں کیا گیا تھا۔

میں ہرگز آپ کے لیکچراروں اور فصیح اللسان تقریر کرنے والوں کی تحقیر نہیں کرتا کیوں
کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو جیز سوئے ہوئے دلوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے
اور زمانہ کی ہواؤں میں اول تموّج پیدا کرتی ہے وہ یہی دعوتِ حق کا غلغلہ ڈالنے والی
زبان ہے۔ ہاں اس قدر گزارش کرتا ہوں کہ تاوقتیکہ متکلّم اور مخاطب کے دل میں سعیٔ جمیلہ
کا سچا جذبہ، اس کے اخلاق میں شجاعانہ استقامت و ایثار، اس کے جوارح میں قوتِ
عمل، اس کے ارادوں میں پختگی اور چستی نہ ہو۔ محض گرمجوش تقریریں کسی ایسے کٹھن اور
بلند پایہ مقصد میں آپ کو کامیاب نہیں کرسکتیں:

وَكَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَىٰ سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُتُوْفٌ

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادیٔ پُرخار کو آپ برہنہ پا ہو کر قطع کرنا
چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے۔ قدم قدم پر وہاں صعوبتوں کا سامنا ہے۔
طرح طرح کی بدنی، مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامنِ استقلال کو الجھانا چاہتے ہیں لیکن
حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ کے قائل کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں (اور ضرور مانتے
ہیں) تو یقین رکھیے کہ جس صحرائے پُرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے
راستہ پر جنت کا دروازہ بہت ہی نزدیک ہے۔

کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب و آلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر نکلا ہے اور اعلیٰ تمناؤں
کا چہرہ سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں سے دکھائی دیا ہے

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ (البقرہ)	کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو کہ تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے ان کو سختیاں اور اذیتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھڑجھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ کے مومنین بول اٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ ـــــ

کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدوں اس کے کہ اللہ جانچ کرے تم میں سے مجاہدین اور صابرین کی

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

الٓمّٓ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ ـ

کیا لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ محض آمنا کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے حالاں کہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی ہے تو ضرور ہے کہ اللہ پرکھے گا سچے اور جھوٹے لوگوں کو۔

یہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی سنتِ مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیل و تغیر کو راہ نہیں کوئی قوم اللہ جل شانہٗ کی محبت اور اس کے راستہ پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو۔ خدا کے برگزیدہ اور اولوالعزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیار کسی پر نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی مستثنےٰ نہیں رہے بے شک ان کو مظفر و منصور کیا گیا۔ مگر کب؟ سخت ابتلا اور زلزال شدید کے بعد۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○

پس اے فرزندانِ توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خداوند قدیر کی امداد کے سامنے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ـ

ایمان دار تو خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں پس تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو بلاشبہ شیطان کی فریب کاری محض لچر پوچ ہے۔

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں (جس کو آپ خود مشاہدہ فرمارہے ہیں) آپ کی دعوت پراس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں ۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ خدا را اٹھو۔ اور اس امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامانِ حرب وضرب کا۔

حالاں کہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اُس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاعِ قلیل خدا کی رحمتوں اور اُس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف حق تعالیٰ جلّ شانہٗ نے اِن آیات میں اشارہ فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۔ اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔

کیا تم نے اُن لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو یکایک ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اُس شخص کے لیے بہتر ہے ۔ جس نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آدبائے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں۔ تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیو بند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں۔ لیکن اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔ سہ

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند	گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنانِ حرم ستر عفاف ملکوت	بامن راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد	حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ	چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بے شک کہا گیا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومتِ وقتیہ کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ اب از راہِ نوازش آپ ہی انصاف کیجیے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثر بد سے۔ اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ "ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھی صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو"۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی کہ وہ اپنے نفع و ضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی بھپکے کے ذریعہ سے علیٰحدہ کر لیں۔ آج ہم وہی بھپکا نصب کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ بھپکا مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔ مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں رہی کیوں کہ زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی اور تدبر اور ہوش مندی

کے پودے نشوونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح و فلاح کے راستے پر چل سکتا ہے ہاں ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو کیا باعتبار عقائد و خیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع و اطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔

ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہییں۔ بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنھوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ایک اسلامی حکومت کے ہاتھوں سے رکھی گئی ہے تو اُس دن علما نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا تھا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے گا تو کیا آپ ایک ایسے کالج سے فلاح قومی کی امید رکھتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں ٹرا زبردست ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔

ہماری قوم کے سربرآوردہ لیڈروں نے صحیح تو یہ ہے کہ امتِ اسلامیہ کی ایک بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا ہے بلاشبہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو اگر طلبہ اپنے اصول و فروع سے بے خبر ہوں اور اپنے قومی محسوسات اور اسلامی فرائض فراموش کر دیں اور ان میں اپنی ملت اور اپنے ہم قوموں کی حمیت نہایت ادنیٰ درجے پر رہ جائے تو یوں سمجھو کہ وہ درسگاہ مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے اس لیے اعلان کیا گیا ہے کہ ایک آزاد یونیورسٹی کا افتتاح کیا جائے گا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اُس کے اثر سے بالکل علیحدہ اور جس کا تمام تر نظامِ عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔

مجھے لیڈروں سے زیادہ اُن نونہالانِ وطن کی ہمتِ بلند پر آفرین اور شاباش کہنا چاہیے جنھوں نے اِس نیک مقصد کی انجام دہی کے لیے اپنی ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور باوجود ہر قسم کی طمع اور خوف کے وہ موالاتِ نصاریٰ کے ترک پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے اور اپنی عزیز زندگیوں کو ملت اور قوم کے نام پر وقف

کردیا۔

شاید ترکِ موالات کے ذکر پر آپ اس مسئلے کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوجائیں اور اُن عامۃ الورود سوالات اور شبہات کے دلدل میں پھنسنے لگیں جو اس بہت ہی اہم واعظم مسئلے کے متعلق آج کل عموماً زبان زد ہیں اس لیے میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑا سا وقت مجھ کو اُس تحریر کے سنانے کے لیے عنایت فرمائیں جو میں نے بعض مسائل در یافت کیے جانے پر دیوبند سے تیار کرکے بھیجی تھی ۔ وھو ھذا...[1]

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہ رب العزت میں نہایت صدق دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائیں؟

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

آپ کا خیر اندیش بندہ محمود عفی عنہ

۱۶ر صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

---

[1] اس مقام پر پڑھی جانے والی حضرت کی تحریر وہ ہے جو "ترک موالات" کے ضمن میں "فتویٰ یہ جواب طلبا علی گڑھ کالج" کے عنوان سے درج ہے۔

خطبۂ صدارت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدِ ۰ الَّذِیْ جَاءَ بِالْبَیِّنٰتِ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۰ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ اَغِثْنَا وَنَجِّنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۰ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۰

امابعد! خاکسار ذرۂ بے مقدار حضرات علمائے کرام و معززین اہل اسلام و برادران وطن کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ آپ حضرات نے مجھ جیسے ناچیز و ضعیف کو جس عظیم الشان خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ میں اس کے لیے آپ کی محبت و

حضرت شیخ الہند نے یہ خطبہ صدارت جمعیت علمائے ہند کے سالانہ اجلاس دوم کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ لیکن علالت کے باعث حضرت خود پیش نہ فرما سکے تھے۔ کسی اور نے پڑھ کر سنایا تھا۔ جمعیت کا یہ اجلاس ۱۹ر ۲۰ر ۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں انعقاد پذیر ہوا تھا۔

عزت افزائی کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ التماس کرتا ہوں کہ صدارت کی ذمہ داری کی اہمیت اور زمانہ حاضرہ کی ہوش ربا کشمکشِ موت وحیات پر نظر کرتے ہوئے میں اپنی گذشتہ پنج سالہ قیدِ غربت اور اب موجودہ ممتد علالت کے سبب سے صدارت کی خدمت سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں۔ کیوں کہ ایسے نازک اور پُرخطر زمانے میں کسی عظیم ملّی اور قومی اجتماع کی صدارت کے لیے ضروری تھا کہ صدر تمام جزئیات سے واقف ہو اور نہ تھکنے والی دماغی قوت اور نہ متزلزل ہونے والی قلبی عزیمت اور نہ سست ہونے والے اعضاء وجوارح کی طاقت رکھتا ہو۔ بایں ہمہ آپ حضرات نے مجھے ایک دینی قومی خدمت کے لیے نامزد اور منتخب کر دیا تو میرے لیے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ بنام خدا اس کے لیے سرِ تسلیم خم کر دوں اور خدا کی تائید پر بھروسا کر کے خدمتِ اسلام اور اہل اسلام کے لیے تیار ہو جاؤں۔

معزز حاضرین! میری اس عاجزانہ التماس پر پوری توجہ مبذول فرمائیں کہ کئی مہینے کی ممتد علالت کی وجہ سے مجھے پورے اطمینان سے غور وغوض کا موقع نہیں ملا ہے اس لیے معروضات میں اگر کسی قسم کوتاہی ہو، مضامین منتشر ہوں تو میرے واقعی عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاف فرمائیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

اس اجلاس کی فضیلت:

محترم حاضرین! آج جس اجلاس میں آپ تشریف فرما ہیں اور طویل وعریض سفر برداشت کر کے شریک ہوئے ہیں یہ وہ مقدس اجتماع ہے جس کا سنگ بنیاد بحکم

۱- وشاورھم فی الامر — اور ان سے کام میں مشورہ لیجے

۲- وامرھم شوریٰ بینھم — اور ان کا معاملہ آپس میں مشورے کا ہے۔

۳- وتناجوا بالبر والتقویٰ — اور وہ نیکی وتقوے کے کاموں میں مشورہ کرتے ہیں۔

رکھی گئی ہے یعنی حضرت حق جل شانہٗ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم فرمایا کہ آپ اپنے اصحاب کرام سے مشورہ فرمایا کریں اور پھر مسلمانوں کی شان بھی یہی بیان فرمائی کہ وہ اپنے امور کا آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں جس سے صاف طور سے ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے تمام کام بالخصوص ایسے کام جن

کا مسلمانوں کی تمام جماعت سے تعلق ہے آپس کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ یہ حکم تو ایسے جلسوں اور اجتماعوں کی بنیاد ڈالتا ہے جو بغرض مشورہ منعقد کیے جائیں اور ارشاد:

تناجوا بالبر والتقوىٰ　　　　نیکی اور تقوے میں مشورہ کرو

ان جماعتوں کی نوعیت کی تائید کرتا ہے یعنی مجلس مشاورت کا نیکی اور خوف خدا پر مبنی ہونا لازم ہے پس ایسے تمام جلسے جن کا مقصد دینِ مقدس کی حمایت و حفاظت ہو اور جن میں نیکی اور بھلائی کے طریقوں پر غور کیا جائے اور جن میں خدائے تعالیٰ قدوس کا خوف شامل حال رہے منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا حکم خداوندی کی تعمیل اور سنت رسولؐ کی اقتدا ہے۔

چوں کہ دورِ حاضر میں دشمنانِ اسلام نے مقاماتِ مقدسہ کو غصب کر کے اور اقتدار خلافت کو پامال کر کے مسلمانوں کے واجب الاحترام جان و مال سے زیادہ عزیز مذہب کی توہین کی اور ان کے دینی بھائیوں کی جان و مال عزت و آبرو کو برباد کیا اس لیے تمام روے زمین کے مسلمانوں پر فرض ہو گیا کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی نصرت و اعانت کریں اور اپنے پاک و مقدس مذہب کی حفاظت اور اعداے اسلام کی مدافعت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اس فرض میں چین، جاوا، ہندوستان، افغانستان، ترکستان بخارا وغیرہ کے مسلمان برابر ہیں۔ کسی کی تخصیص نہیں۔ جن مقامات میں لڑائی ہوئی ہے جس طرح وہاں کے مسلمانوں پر فرض تھا کہ اپنے بھائیوں کی مدد اور دشمن کی مدافعت کریں اسی طرح روے زمین کے مسلمانوں پر پریشانی اور یورپین مظلوم مسلمانوں کی امداد و اعانت اور دشمن کی مدافعت کرنا فرض ہے۔ اگرچہ امداد و اعانت کی صورت مختلف اور مدافعت کی نوعیت جداگانہ ہوگی۔

جمعیۃ علماے ہند کے سامنے جہاں اور مذہبی اور ملی فرائض ہیں اس وقت یہ فریضہ بھی اس کے پیش نظر ہے بلکہ تمام دیگر فرائض سے مقدم اور اہم۔

رشتہ اخوت:

یہ سوال کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بیرون ہند کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا کوئی شدید تعلق ہے جس کی وجہ سے ان پر سات سمندر پار کے رہنے والوں کی جانی اور مالی امداد فرض ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں اور کلمہ گویوں

کے درمیان ایک ایسا رشتۂ اتحاد قائم کیا ہے جو تمام مصنوعی، قومی، اتحادات سے بالاتر ہے اس میں قومیت اور لباس اور رنگت کا امتیاز نہیں صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ایک مغربی شخص کو اقصائے مشرق میں رہنے والے کا بھائی بنا دیتا ہے اور ان بعد المشرقین کے رہنے والوں کے درمیان وہ تمام تعلقات قائم ہو جاتے ہیں جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں حضرت حق جل شانہٗ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

انما المومنون اخوۃ — تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان حقاً علی المومنین ان یتوجع بعضھم بعض کمایالم الجسد للراس (کنز العمال) — مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ایسے دردمند ہوں جیسے سر کے درد سے تمام اعضائے بدن دکھ پاتے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہٗ اشتکی کلہٗ وان اشتکی راسہٗ اشتکی کلہٗ (رواہ احمد) — تمام مسلمان ایک جسم ہیں اگر آنکھ میں درد ہو تو تمام بدن دکھ اٹھاتا ہے اور سر میں درد ہو تو تمام بدن تکلیف پاتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے درد اور دکھ سے تمام مسلمانوں کو درد اور تکلیف پہنچنا ضروری ہے۔

خدائے پاک کے فرمان اور رسول مقبول صلعم کے مقدس ارشاد سے صاف ثابت ہو گیا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے درد سے اسی قدر صدمہ ہونا چاہیے جس قدر ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضا کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور اس مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اسی وقت کامل ہو گا جب کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف سے ایسی ہی بے اختیاری اور اضطراری ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ وفی روایۃ المسلم ولا یظلمہ ولا یخذلہ ولا ینصرہ۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے پنجے میں چھوڑتا ہے اور مسلم کی روایت میں نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کی نصرت اور مدد سے منہ موڑے نہ اسے حقیر کرے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

ما من امرءٍ مسلم یخذل امراءً مسلماً فی موضع یتھتک فیہ الا خذلہ اللہ فی موضع یحب فیہ نصرتہ وما من امراء مسلم ینصر مسلماً فی موضع ینقض فیہ من عرضہ وھتک فی من حرمتہ الا نصرہٗ اللہ فی مواطن یحب فیہ نصرتہ۔

جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موضع میں مدد نہ کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جاتی ہو اور آبرو پامال ہوتی ہو تو خدا اس کی اس جگہ مدد نہ کرے گا جہاں وہ خدا کی مدد چاہتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسی مدد کرے گا جہاں اس کی عزت خراب اور بے آبروئی ہو رہی ہے تو خدا اس کی اس جگہ مدد کرے گا جہاں وہ خدا کی مدد چاہتا ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس کو ہلاکت سے بچاتا ہے اور پس پشت اس کی حفاظت کرتا ہے

یہ ہیں خدا کے برتر اور اس کے پاک رسول کے صریح فرمان اور یہ ہیں مذہب اسلام کے جلیل القدر احکام جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان اپنے سمندر پار کے مذہبی بھائیوں کی امداد اور اعانت کو اپنا مذہبی پاک فریضہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اس حالت دردناک میں بھی ان کی بات نہ پوچھی کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہے اور ان کو دشمنوں کا تختہ مشق بنانے کے لیے چھوڑ دیا اور ان کی امداد و اعانت میں امکانی کوشش نہ کی تو قیامت کے دن خدائے جلیل و جبار کے قہر سے چھٹکارا مشکل ہے۔

رشتہ اسلام اور عہد باہمی:

اسلام سے پہلے قومی زندگی قائم رکھنے اور بنی نوع کی ہمدردی حاصل کرنے کے

یے اقوامِ عالم کا یہ طریقہ تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ حلف یعنی معاہدہ کر لیا جاتا تھا دونوں معاہد تو میں ایک دوسرے کی مددگار ہوتی تھیں ایک دوسرے کی طرف سے دشمنوں سے لڑتی تھیں معاہدے کی یہ رسم غیر مسلم اقوام میں آج تک جاری ہے۔

اسلام نے حلف یعنی معاہدۂ نصرت کو جو مسلمانوں کے لیے آپس میں ضروری قرار دیا تو چیخ پکار کرتے ہیں ہم تمام ایسے لوگوں سے ببانگِ دہل کہے دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی نصرت و معاونت کا معاہدہ انسانی معاہدہ نہیں ہے بلکہ خدائے قدوس کا قائم کیا ہوا اور سخت تاکیدی مذہبی احکام کا قرار پایا ہوا معاہدہ ہے۔

اگر تمھارے اپنے قائم کیے ہوئے معاہدے تمھیں مجبور کرتے ہیں کہ امریکہ والے آکر یورپ میں تمھاری مدد کریں اور ان کی یہ مدد آئین و انصاف کے خلاف نہ سمجھی جائے تو مسلمانوں کو ان کا خدا ان کا رسول ان کا پاک مذہب حکم کرتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کی مدد کریں خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں۔ کسی انسانی قانون و طاقت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے روکے یا ان کی جائز مذہبی جدوجہد کو غیر آئینی قرار دے۔

یہاں پر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے واقعات ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو اس قدر بے چین اور مضطرب کر دیا ہے۔ اور کیا اسباب ہیں جن کی وجہ بیرونِ ہند کے رہنے والے بھائیوں سے ہمدردی اور ان کی اعانت فرض ہو گئی ہے اس کا جواب دینے اور سننے کے لیے پتھر کا دل اور فولاد کا کلیجہ درکار ہے اور اس کی تفصیل کے لیے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اوّل تو اپنے ضعف کی وجہ سے دوسرے اس لیے بھی کہ بہت سے واقعات اور مظالم اخباروں اور تحریروں کے ذریعے سے عالم آشکار ہو چکے ہیں صرف چند جملوں پر اختصار کرتا ہوں۔

ٹرکی اور برطانوی طرزِ عمل:

معزز ناظرین! دنیائے اسلام میں گذشتہ چند صدیوں سے سلطان ٹرکی واحد سلطنت اسلامی شوکت کی ضامن تھی۔ اور حرمین محترمین، بیت المقدس، عراق وغیرہ کے تمام اماکن مقدسہ و مقامات محترمہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ جمہور اسلام کے اتفاق سے سلطان ٹرکی خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے۔ اور خلافت کے فرائض نہایت

خوبی سے انجام دیتے تھے۔ ان کا عروج و ترقی اور ان کی سلطنت کی وسعت جابر و غاصب سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگی رہتی تھیں کہ خلیفۃ المسلمین کا اقتدار گھٹایا جائے اور مستقر خلافت پر قبضہ کر کے یورپ سے اسلام کا نام و نشان مٹایا جائے اگرچہ سلطان ٹرکی پر ان مسیحی بھیڑیوں کے درمیان بالکل ۳۲ دانتوں میں ایک زبان کی مثل صادق تھی۔ مگر خلیفۃ المسلمین کی اسلام کے لیے جانبازانہ مقاومت ان غاصبوں کی متعصبانہ یورشیں پوری نہ ہوتے دیتی تھیں۔ تاہم ان دشمنان اسلام کے دندان غریب ٹرکی کے بدن میں سے گوشت کے لوتھڑے نوچتے رہے اور ۱۸۷۸ء سے تو اس نوچ کھسوٹ کا متواتر ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ مصر جیسا زرخیز علاقہ قبرص، طرابلس، سالونیکا، یونان، بلغاریہ، سرویا، البانیہ، وغیرہ ٹرکی علاقے یکے بعد دیگرے ان ظالموں کی جوع الذئب کی بھینٹ چڑھ گئے اور یہ ان بڑے بڑے لقموں کو ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ یہاں تک کہ یہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اس کا واحد سبب طمع ملک گیری تھا۔ کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ ٹرکی کو بھی شریک جنگ ہونا پڑا۔ اس وقت تمام عالم کے مسلمان جس مصیبت میں مبتلا ہوئے اور بالخصوص برطانوی حکومت میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مشکلات پیش آئیں۔ اس کو خدائے علیم و حلیم ہی بہتر جانتا ہے برطانوی مدبرین نے اپنی مسلمان رعایا کی تسلی کے لیے وقتاً فوقتاً چند اعلان شائع کیے جن میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا۔ کہ ان کے مقامات مقدسہ پر کوئی آنچ نہ آئے گی اور مستقر خلافت پر کوئی معاندانہ قبضہ نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ مسلمانوں کا ان وعدوں پر یقین کر کے مطمئن ہونا ایک سخت غلطی تھی۔ جس کا تلخ ترین مزا آج ان کے روحانی ذائقہ کو تلخ بنا رہا ہے۔ لیکن واقعہ یوں ہی ہوا کہ مسلمان اس وعدے پر مطمئن ہو گئے اور سلطنت برطانیہ کی جانی و مالی امداد کر کے شاندار فتح حاصل ہونیکے باعث بنے۔

شاطرین برطانیہ نے جیسے ہی ہوا کا رخ اپنے موافق دیکھا فوراً عیاری کے وار چلنے لگے اور تمام دنیا کی قوموں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر وعدے نسیاً منسیا کر دیے۔ مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا۔ مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ کو فوجی قبضہ میں دبوچ لیا۔ سمرنا پر یونانیوں کو قبضہ دلا دیا۔ عرب کو ترغیب اور لالچ دے کر خلیفۃ المسلمین سے

باغی بنا دیا۔ ٹرکی فوجوں سے ہتھیار رکھوا لیے۔ اور اس غریب کو زمانہ التوا ہیں بے دست دپا کر کے نہایت ذلت آمیز شرائط صلح پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا۔ شرائط صلح ہیں خاص طور سے اقتدار خلافت کو زائل کرنے والی شرطیں لگائی گئیں اور تمام دیگر طاقتوں کے مسلمان رعایا کا خلیفۃ المسلمین سے مذہبی سرپرستی کا تعلق منقطع کر دیا گیا ولی عہد ٹرکی کو حراست میں کر لیا اور اسی قسم کے ہزاروں غیر منصفانہ سلوک کیے گئے۔

عالم اسلامی کی مصیبت اور اضطراب:

ان لڑائیوں میں شام عراق، عرب، سمرنا، ٹرکی کے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑے گئے۔ لاکھوں مسلمان قتل کیے گئے۔ لاکھوں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے۔ ہزاروں کلمہ گو خانہ ویران ہو کر وطن سے بھاگ نکلے اور آج غیر ملکوں میں سڑکوں اور میدانوں پر بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں۔ سیکڑوں کے بدن پر کپڑا اور جان بچانے کے لیے قوت لایموت بھی میسر نہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بے گناہ قتل کر دیے گئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

یہ ہیں وہ روح فرسا و جاں سوز واقعات جنھوں نے تمام عالم کے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے۔ اور جس کے دل میں ذرا سا ایمان بھی باقی ہے وہ سیماب وار بیقرار ہے اور اپنا شرعی اخلاقی، قانونی حق سمجھتا ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی نصرت و اعانت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اور جس طرح ممکن ہو اپنے بھائیوں کو دشمن کے نرغے سے نکالے اور ان کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائے۔

اخوت ایمانی کی ایک عالم گیر لہر اٹھی اور طرفۃ العین میں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک دوڑ گئی۔ سوتے ہوؤں کو بیدار کر دیا۔ بیداروں کو اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اور کھڑے ہوؤں کو بے محابا دوڑا دیا۔ حجرہ نشین زاہد، کتاب کے کیڑے طالب علم دوکانوں پر بیٹھنے والے تاجر، اسباب ڈھونے والے مزدور، مدرسوں میں درس دینے والے، برق تقریر عالم، سب ایک صف میں آ کر کھڑے ہو گئے ہیں یہی نہیں بلکہ دول یورپ اور بالخصوص برطانیہ کی ظالمانہ اور غاصبانہ پالیسی کو دیکھ کر اکیس کروڑ برادران وطن بھی ان کے ساتھ ہمدردی کے لیے تیار ہو گئے۔

یہ فریضہ تو اپنے مسلمان بھائیوں کی اعانت اور امداد کے متعلق تھا۔ جن میں انسانی

ہمدردی اور اخلاقی مروّت کی وجہ سے غیر مسلم بھائی بھی مسلمانوں کے دوش بدوش کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا فریضہ حمایت مذہب اور اماکن مقدسہ کا احترام باقی رکھنے کے لیے ہے۔ جو مسلمانوں پر ان کے پاک مذہب نے عاید کیا ہے۔ حضور نبی کریم صلعم کی وہ آخری وصیت جو دنیا سے تشریف لے جاتے وقت مسلمانوں کو فرمائی تھی یہ تھی:

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔	مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو

اور دوسری روایت میں ہے:

اخرجوا الیہود والنصارٰی من جزیرۃ العرب۔	یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو

ان احکام میں تمام مسلمان مخاطب ہیں۔ عرب و عجم کی کوئی تخصیص نہیں یہ چینی شامی یا ٹرکی یا ہندی کا کوئی امتیاز نہیں۔ ان احکام کی وجہ یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسلام کے اصلی سرچشمے ہیں۔ حجاز کی سرزمین پہلی جگہ ہے جہاں توحید ربانی کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کے ذروں کو روشن کر کے ہر ہر ذرے کو دنیا کے مختلف حصوں کے لیے ایک ایک آفتاب بنا دیا۔

اس پاک اور مقدس سرزمین پر اسلام کے حقیقی جاں نثاروں اور خدائے پاک کی توحید پر جان قربان کرنے والوں کے خون کے محترم قطرے گرے ہیں۔ اور انھوں نے نہایت جلیل القدر قربانیوں کے بعد ان مقامات کو کفر و شرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔

پس اس لیے کہ جزیرۂ عرب اسلام کا اصلی سرچشمہ ہے۔ آفتابِ توحید کا مطلع ہے۔ اسلامی شوکت کا مرکز اور تجلیاتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ اس میں خدا کے سب سے زیادہ مقدّس اور محبوب رسول کی آرام گاہ ہے۔ اس میں دنیا کا سب سے پہلا توحید کا عبادت خانہ ہے اس کے ریگستان کے ذرے صحابہؓ کے خون سے سیراب کیے گئے ہیں۔ اس میں اسلام کے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگاریں ہیں، ضروری ہے کہ کسی غیر طاقت اور دشمن اسلام سلطنت کے قبضے اور تسلّط سے

پاک رہے۔

کیا تین خدا ماننے والوں کیا مادی قوت کے پرستاروں، کیا دنیا کی سرزمین کو اپنی جاگیر سمجھنے والوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے تسلط اور قبضہ کے بعد رسول پاک کے روضۂ مطہرہ کا احترام اور بیت الحرام کی حرمت باقی رہے گی اور یہ دشمنانِ توحید ہیں اس کی تقدیس و تعلیم کو اپنے خیال سے ضروری سمجھیں گے۔ رعایا کے مذہبی جذبات سے خوف کھا کر اور عام ہیجان کے خطرے سے دفعتہً کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے عالم اسلامی میں ایک طوفان برپا ہو جائے تو یہ اور بات ہے لیکن کوئی تجربہ کار جسے یورپین طاقتوں کی اس مذہبی عصبیت کا تجربہ ہے جس کی وجہ سے برطانی ذمہ دار اراکین فتح بیت المقدس کو شاندار صلیبی فتح قرار دیتے ہیں اور سالونیکا پر یونانیوں کے قبضے کے وقت یہ کہہ کر خوشی مناتے ہیں کہ یورپ میں عیسائی مذہب کے داخل ہونے کا پہلا دروازہ پھر عیسائیوں کے پاس آ گیا کوئی ایک منٹ کے لیے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ ان دوست نما اعدائے اسلام کے تسلط کے بعد بھی مقامات مقدسہ کی حقیقی حرمت باقی رہ سکتی ہے۔

حج کیوں کر ہوگا:

بہت سے ظاہر بین مسلمان بھی اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ انگریزی تسلط کے بعد حج جاری رہے گا بلکہ آرام و آسائش کے سامان زیادہ ہو جائیں گے۔ میں ان حضرات سے صرف اس قدر عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ایک ظاہری سفر کو حقیقی حج سمجھ لیا ہے۔ اور ظاہری سفر کے آرام و آسائش کو حضورِ قلب اور اخلاص و حلاوتِ ایمانی کی جگہ دے دی ہے۔ اور پھر ظاہری آرام و آسائش کا بھی آپ کو تجربہ ہو جائے گا ابھی ذرا ٹھہر جایئے۔ یہ سنہرا طوفان جو خود غرض اور عیاری کے ساتھ عرب کی سطح پر محیط ہو گیا تھا ذرا کھل جانے دیجیے۔ پھر آپ کو آرام و آسائش کا بھی پتا چل جائے گا۔

شریف حجاز:

یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ حجاز پر انگریزی قبضہ نہیں ہے بلکہ شریف مکہ کی حکومت ہے۔ میں عرض کروں گا کہ حکومتِ شریف کی حقیقت بھی واقف کار نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بھلا وہ شریف جس نے اپنے قدیمی ولی نعمت اور واجب الاحترام آقا اور

مفروض الطاعت خلیفۃ المسلمین سے ایک مسیحی طاقت کی ترغیب اور ابلہ فریبی کی وجہ سے بغاوت کی ہو۔ وہ شریف جو انگلستان کا وظیفہ خوار ہو وہ شریف جو مسیحی سرداروں کی تصویروں کو سینہ سے لگاتا ہو وہ شریف جو خدا کے مقدس جائے امن سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے کفار کے حوالے کر دے اس کی حکومت صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہو سکتی ہے اور اس کا نام نہاد اقتدار اسلامی اقتدار کہلا سکتا ہے حاشا وکلاّ

الغرض بیت المقدس، سرزمین عراق، عرب یہ سب مسلمانوں کے اماکن مقدسہ ہیں۔ مستقر خلافت یعنی قسطنطنیہ اور ایڈریانوپل قدیم اسلامی یادگاریں ہیں ان تمام مقامات کو اسلامی شوکت و وقار کا مرکز اور خلافت اسلامیہ کا محور ہونے کی وجہ سے مذہبی احکام کے بموجب غیر مسلم اثر سے پاک و صاف رکھنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہاں تک اس کا بیان تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے مذہبی فرائض کیا ہیں۔ گذشتہ بیان سے معلوم ہو گیا وہ فرائض یہ ہیں۔

اپنے مسلمان بھائیوں کی نصرت و اعانت۔ مقامات مقدسہ کی حفاظت خلیفۃ المسلمین کی برقراری میں کوشش اور خلافت اسلامیہ کے استحکام کی سعی کرنا۔

فرائض اسلامیہ اور ہندوستانی مسلمان:

اب سوال ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ان فرائض کے ادا کرنے کی کیا سبیل ہے۔ میں پہلے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ اقصائے عالم میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جو ان فرائض کی واقفیت سے منکر ہو بلکہ اس میں تردد اور شبہ رکھنے والا بھی غالباً کوئی متنفس نہ نکلے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ایک تلاطم برپا ہے۔ ہر شخص بے چین اور مضطرب ہے خلافت کمیٹیوں کی کثرت اور عام قومی مظاہروں اور جلسوں کی نوعیت اس کی بیّن دلیل ہے مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی خوف کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر مسلط ہو گیا ہے اس فریضہ کے عائد ہونے میں طرح طرح کے شبہات نکالتے ہیں یا کسی دنیوی طمع اور لالچ اور اپنی سنہری اور روپہلی مصلحتوں کے باعث حیلے حوالے تراشتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ علمائے ہند کی ایک کثیر جماعت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ چونکہ

ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعتِ اعدا کے مادی اسباب نہیں ہیں۔ توپیں ہوائی جہاز، بندوقیں ان کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لیے مادی جنگ نہیں کر سکتے لیکن انھیں یقین رکھنا چاہیے کہ جب تک برطانیہ کے وزرا اسلامی مطالبات تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ معاشرتی اور اخلاقی جنگ کی حالت ہے یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم رکھیں جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے نشۂ غرور و تکبر کو تیز کرے۔ مسلمانوں کا اوّلین فرض ہے کہ وہ دشمنِ اسلام کو دشمن کے مرتبے میں رکھیں اور ایسے تعلقات کو جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنے والے ہیں، ایک دم چھوڑ دیں۔ اس اخلاقی جنگ کا نام ترکِ موالات ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے سورۂ ممتحنہ میں فرمایا ہے:

یٰاَیھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا	اے مسلمانو! میرے اور اپنے دشمن کو
عدوی وعدوکم اولیاء	دوست نہ بناؤ۔

ترکِ موالات:

اس آیت میں حضرت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمنانِ خدا اور دشمنانِ اہلِ اسلام کے ساتھ موالات کرنے سے انکار فرمایا ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جس وقت حضور نبی کریم صلعم نے غزوہ فتح مکّہ کا ارادہ کیا اور اس کا سامان ہونے لگا تو حاطب بن ابی بلتعہ صحابی نے مشرکینِ عرب کو ایک اطلاع کا خط لکھا جس میں ان کو متنبہ کیا تھا کہ رسولِ خدا تمھارے اوپر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں تم اپنا برا بھلا سوچ لو۔ چوں کہ قریش کے ساتھ ان کا کوئی نسبی تعلق نہ تھا اس لیے انھوں نے چاہا کہ ان کے ساتھ یہ احسان کر دوں۔ اور اس کے بدلے میں وہ میرے اہل وعیال اور جائداد وغیرہ کی جو مکّہ میں ہیں حفاظت کریں۔ حضورؐ کو وحی سے اطلاع ہو گئی اور راستے میں سے وہ خط پکڑا گیا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں کئی باتیں خاص توجہ کے لائق ہیں۔

اوّل یہ کہ اس میں حق تعالیٰ نے "عدوی وعدوکم" فرمایا ہے جس سے صاف طور پر سمجھا جاتا ہے کہ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ اہلِ اسلام سے ترکِ موالات کا حکم

دینے کی علت ان کی عداوت اور دشمنی ہے تو جہاں کہیں عداوت اور دشمنی موجود ہوگی وہاں ترک موالات کا حکم اسی طرح عائد ہوگا جس طرح آیت شریفہ کے نزول کے واقعے میں ہوا تھا۔

دوسرے یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے کفار کی محبت یا قلبی میلان یا ان کے کفر سے راضی ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کیا تھا بلکہ محض ایک دنیوی مصلحت کی وجہ سے کیا تھا اور مصلحت بھی ایسی کہ ان کے اہل وعیال کی حفاظت کی کوئی سبیل نہ تھی کیوں کہ وہ دشمنوں کے تسلط کے مقام میں تھے گویا ان کا یہ خبر دینا دشمنوں کی ایک معاونت و محافظتِ جائداد و اہل وعیال کا معاوضہ تھا باوجودیکہ حضرت حق نے اس کو موالات سے تعبیر فرمایا اور ممانعت کا حکم بھیجا۔

تیسرے یہ کہ حاطب کا یہ فعل یعنی خبر دینا کفار کی کوئی مادی مدد کرنا نہ تھا بلکہ صرف ان کو ان کے برے انجام سے خبردار کرنا اور اپنی نجات کا طریقہ سوچ لینے کے لیے ہلاکت کا وقت سر پر آنے سے پہلے موقع بہم پہنچانا تھا مگر صرف اتنی بات کو بھی حق تعالیٰ نے موالاتِ ممنوع میں داخل فرما کر موالات کی ممانعت کا حکم نازل فرمایا۔ حاطب کے اس خفیہ خط کے یہ الفاظ اس مضمون پر پوری روشنی ڈالتے ہیں:

ان رسول اللہ صلعم یریدکم فخذوا حذرکم	حضور صلعم تمہارے اوپر حملے کا ارادہ فرما رہے ہیں تم اپنا بچاؤ اختیار کرو

اور جب حضورؐ نے ان سے دریافت کیا کہ کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی تو انھوں نے جواب دیا:

وما فعلتہ کفراً ولا ارتداداً من دینی ولا رضاً بالکفر بعد الاسلام۔	حضورؐ میں نے یہ کام کفر کی وجہ سے یا اسلام سے پھر جانے کے باعث یا اسلام لانے کے بعد کفر سے راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا
کان اھلی بین ظھرانیھم فخشیت علی اھلی فلاردت ان اتخذ لی عندھم یداً۔	میرے اہل وعیال کفارِ مکہ کے نرغے میں تھے مجھے ان کی جان کا خوف تھا تو میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ایک احسان کردوں

وقد علمت ان اللہ تعالیٰ ینزل بھم بامرہ وان کتابی لا یغنی عنھم	اور بیشک میں جانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ ان کافروں پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور میرے خط سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہو گا

چوتھے یہ کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حاطبؓ کے اس فعل کو مظاہرات سے تعبیر فرمایا:

لکنہ قد نکث وظاھر اعدائک علیك	یارسول اللہ اس حاطب نے اسلام کی بیعت توڑ دی اور آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی

اس کے بعد حضرت حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے:

انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئك ھم الظالمون۔	یعنی حق تعالیٰ تم کو ایسے لوگوں کی موالات سے منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور نکالنے والوں کے مددگار ہوئے اور جو لوگ ان سے ترک موالات نہ کریں گے وہ ظالم ہیں

جن کافروں میں یہ تین چیزیں پائی جائیں ان کی موالات کو یہ آیت حرام قرار دیتی ہے۔

۱۔ مسلمانوں سے دینی لڑائی لڑنا۔

۲۔ مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا اور خانہ ویران کرنا۔

۳۔ نکالنے والوں کی مدد کرنا۔

پہلی بات یہ کہ برطانیہ کی مسلمانوں سے لڑائی مذہبی لڑائی تھی۔ یہ نھیں برطانیہ کے وزیر اعظم کے ان الفاظ سے جو جرنیل املینائی کو فتح بیت المقدس کی مبارکباد دیتے وقت کہے گئے تھے۔ اور اس فتح کو شاندار صلیبی فتح قرار دیا گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے اور ٹرکی کے ساتھ التوائے جنگ اور صلح کے شرائط پر نظر ڈالنے سے موٹی نظر والے کو بھی حقیقت حال نظر آجاتی ہے۔ تھریس پر یونانیوں کو قبضہ دلانا، قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا، اپنے صریح وصاف وعدوں کی خلاف ورزی کرنا، سمرنا میں یونانیوں کے مظالم کو نہ روکنا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بعد کسی کو اس بات میں شبہ باقی

نہیں رہتا کہ ترکوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ تمام ناانصافیاں روا رکھی گئی ہیں۔

دوسری بات مسلمانوں کو گھروں سے نکالنا۔ قسطنطنیہ اور اس کے اطراف سے ہزاروں مسلمان وطن سے نکل بھاگے۔ خود ولی عہدِ سلطنت نے اسلامی حمیت کی وجہ سے کئی مرتبہ نکلنے کا ارادہ کیا مگر ان کو سخت حراست میں کر دیا گیا۔ یونانیوں کے مظالم سے ہزاروں مسلمان سمرنا سے گھر بار چھوڑ کر بھاگے۔ قسطنطنیہ سے بہت سے معززین اور مقتدر حضرات کو جلاوطن کر کے مالٹا وغیرہ میں بھیج دیا گیا۔ یہ تمام واقعات ہیں جسے اخراج من الدیار اور تیسری بات مظاہرات علی الاخراج (نکالنے والوں کی مدد کرنا) میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ مالٹا میں ٹرکی کے بہت سے مقتدر افراد سے میری ملاقات ہوئی جو وہاں نظر بند تھے۔

برطانیہ سے ترکِ موالات:

پس جب کہ یہ تینوں باتیں سلطنت برطانیہ کے ذمہ دار وزرا کی طرف سے واقع ہو گئیں تو اب بھی کسی مسلمان کو برطانیہ کے ساتھ ترکِ موالات کے حرام ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ موالات اور چیز ہے اور معاملہ اور چیز ہے آیت موالات کو منع کرتی ہے نہ کہ معاملات کو تو میں کہوں گا کہ ہاں موالات اور معاملے میں مفہوم کے لحاظ سے فرق ہے لیکن موالات کے مفہوم میں قربت اور نزدیکی پیدا کرنے والے تعلقات اور باہمی نصرت و معاونت کے تمام ارتباطات لغوی معنی کے لحاظ سے داخل ہیں پس تمام ایسے معاملے جن کی وجہ سے دشمن کے ساتھ میل جول ربط و اتحاد بڑھے ایسے معاملے جو ان کی معاندانہ طاقت کو بڑھائیں ایسے تعلقات (فوجی ملازمت وغیرہ) جو مسلمانوں کی ہلاکت اور شوکتِ اسلامیہ کے مٹانے میں داخل ہو گئے ہیں۔

ایسے روابط جن کی وجہ سے انھیں موقع ملے کہ مسلمانوں کی رضامندی پر استدلال کر سکیں ایسے مراسم جن سے ان کے ساتھ محبت اور الفت کا اظہار ہوتا ہو۔ براہ راست یا بالواسطہ ممنوع محرمہ میں داخل ہیں۔ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعے کو بغور دیکھا جائے تو پھر کوئی شبہ واقع نہیں ہو سکتا۔

اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اس لیے صرف اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں

دوسرا شبہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان ترک موالات سے تکلیف اور نقصان اٹھائیں گ
اس کے جواب میں بھی مختصراً یہ واقعہ ذکر کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جس وقت یہود بنو
قینقاع سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو عبادہ بن الصامت انصاری نے عرض کیا:

ان لی اولیاء من الیهود کثیر عدوهم شدیدة شوکتهم وانی ابرا الی الله ورسوله من ولایتهم وخلفهم ولا مولی لی الی الله ورسوله وقال عبد الله ابن ابی لکنی لا برأ من ولی یهوداً وانا رجل لا بدّ لی منهم۔	حضور! میری یہود کی ایسی جماعت سے موالات تھی جن کی تعداد بہت ہے اور طاقت زبردست ہے آج میں ان کی موالات سے دست برداری کرتا ہوں اور اب خدا اور رسول کے سوا میرا کوئی مولیٰ نہیں اس پر عبداللہ منافق بولا میں تو یہو کی موالات سے دست برداری نہیں کرتا۔ کیونکہ میری تو بغیر ان کے گزر مشکل ہے

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یا ایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصاری اولیاء۔	اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

اور منافقین کا یہ قول کہ ہمیں تکالیف اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے جواز موالات کے لیے کافی نہ ہوا اور ان کو موالات کی اجازت نہ دی گئی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت تعالیٰ نے "فی قلوبہم مرض" فرمایا ہے اور ان کے اس قول کا کہ ہمیں تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچنے کا خوف ہے یہ جواب دیا کہ عنقریب حق تعالیٰ اپنی طرف سے مسلمانوں کو فتح یا اور کوئی مہتم بالشان امر ظاہر کرے گا جس سے یہ تمام ڈرنے والے اپنے نفسانی منصوبوں پر نادم ہوں گے [۱]

---

[۱] اس زمانے میں ترک موالات کی مخالفت میں بریلی اور تھانہ بھون کے دو بزرگ بہت مشہور ہوئے۔ ان کے جواب میں مولانا معین الدین رح اجمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی رح اور مولانا محمد ادریس رح کاندھلوی کے رسائل اپنے مقصد میں لاجواب ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد رح کے رسالہ "مسئلہ خلافت" کا تو کیا بہ لحاظ دلائل و براہین قاطعہ کیا بہ لحاظ شرح و تفصیل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

میدان عمل:

آج بھی ایک میدان عمل تمہارے سامنے ہے۔ ابتلاو امتحان کی کڑی منزل درپیش ہے مگر آپ ڈر نہ جائیں صرف اپنے آقائے نامدار اور خاتم النبیین صلعم کے حالات پر غور کریں۔ آپ کو مشرکین عرب نے اس قدر سخت تکلیفیں پہنچائی ہیں کہ الامان الحفیظ مگر آپ ان تمام جاں گداز تکلیفوں کو نہایت استقامت کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اپنے فرض تبلیغ کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کفار مکہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھ کر آپ کے مکان کا محاصرہ کرلیا اس وقت آپ خدائے تعالیٰ کے حکم سے مکان چھوڑ کر تشریف لے گئے اور تین دن غارِ ثور میں رہ کر مدینہ منورہ چلے گئے وہ زمانہ مسلمانوں کے لیے سخت ابتلا و آزمایش کا زمانہ تھا مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل اور مالی حالت نہایت تنگی کی تھی مگر ان کے ایمان پختہ اور قلب مطمئن تھے ان کی صداقت اور استقامت کی برکت تھی کہ کفار کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے اور ذلیل و خوار ہو کر مغلوب ہوئے اور خدا کا نور تمام دنیا میں پھیل گیا۔ میری غرض صرف اس بیان سے یہ ہے کہ اگر آج مسلمانوں کے ایمان پختہ ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے وعدۂ نصرت (کان حق علینا نصر المومنین) پر اُن کو پورا بھروسا ہو جائے اور تکالیف کے برداشت میں ذرا صبر و استقامت سے کام لیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے کیونکہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد چالیس کروڑ ہے جس میں صرف ہندوستان میں سات ساڑھے سات کروڑ آباد ہیں۔ اگر یہ سب متفقہ طور پر اسلامی خدمت کے لیے صبر و استقامت کی ڈھال لے کر کھڑے ہو جائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آجائے۔

بے نظیر اور کیا بہ لحاظِ حسن اسلوب و انشا خلافت اور ترک موالات کے لٹریچر میں کوئی جواب ہی نہیں۔ لیکن حضرت شیخ الہند نے مانعین ترک موالات کے رد اور استدلالات کے جواب میں اس خطبے میں جو ضمنی بحث فرمائی ہے اس کے دلائل کی پختگی، براہین کی محکمی، اختصار کے کمال، انشا کے حسن اور معجز بیانی و اثر انگیزی میں اور جس طرح مطالب کی جامعیت کے ساتھ مذکورۃ الصدر دونوں بزرگوں کا نام لیے بغیر ان کے اعتراضات و خدشات کا رد اس میں آگیا ہے، اس کی بھی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اور جب یہ خیال فرمایئے کہ مرض الموت کے کس عالم میں یہ خطبہ قلم بند ہوا تھا تو یہ ایک کرامت کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

دشمنانِ خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن خدائے تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے مومنین کی قوتِ ایمانی اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئی ہے۔ اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔

فرزندانِ توحید آج تمہارے ایمان و اخلاص کا امتحان ہے۔ خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر جھکاتا ہے اور کون ہے جو دنیا کی ناپائیدار ہستیوں کے خوف سے خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

اگر تم کو میدانِ محشر میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اگر تم کو رسولِ پاک صلعم کی استقامت کی آرزو ہے تو اُس کے پاک دین کی حفاظت کرو، اس کے مقدس احکامات کی اطاعت کرو، اس کی امانت توحید کو برباد نہ ہونے دو اور اس کی دی ہوئی عزت کو حقیقی عزت سمجھو۔

اسلام صرف عبادت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ کہ زمانۂ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک و صاف دامن پر ایک دھبا لگاتے ہیں۔

ان کے فرائض صرف نماز، روزہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر ہے وفقنی اللہ ایاکم لما یحبُّ و یرضیٰ۔

ہندو مسلم اتحاد:

برادرانِ وطن نے تمہاری اس مصیبت میں جس قدر تمہارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور کر رہے ہیں وہ اخلاقی مروت اور انسانی شرافت کی دلیل ہے۔ اسلام احسان کا بدلہ احسان قرار دیتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دے دیں۔ کسی دوسرے کی اٹھا کر دینے کو احسان نہیں کہتے۔ پس آپ برادرانِ وطن کے احسان کے بدلے میں وہی کام کر سکتے ہیں جو شریفانہ طور سے اپنے اختیارات سے کر سکتے

احکام کے خلاف فیصلہ کراتے پر مجبور رہیں۔ کیا شفعہ و قبضۂ مخالفانہ وغیرہ کے قوانین شریعتِ اسلامیہ کے موافق ہیں؟ یہ تمام چیزیں ہیں جن کی پوری نگہداشت جمعیت علما کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اسی طرح اسلامی، مذہبی تعلیم کے لیے مفید نظام قائم کرنا اور تمام اسلامی درسگاہوں کو ایک سلسلے میں منسلک کرنا بھی علما کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔ اسلامی اوقاف کا وسیع و عریض سلسلہ بھی ایک خاص نظم کا محتاج ہے۔ غرض کہ بہت سی اسلامی ضروریات ہیں جو علما کے ایک مرکز پر جمع نہ ہونے کی وجہ سے منتشر حالت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ان کو جمع کر دیا۔ اس اجتماع کی بدولت امید ہے کہ تمام پراگندہ اور منتشر امور کا نظام درست ہو جائے گا۔

قبل اس کے کہ میں اپنے بیان کو ختم کروں آپ حضرات سے ایک التجا کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر حال میں خدائے قدوس پر بھروسا رکھیں اور اپنی تدبیر کو تدبیر ہی کے مرتبہ میں سمجھیں۔ اسلامی احکام کی تعمیل کریں۔ اور مذہبی فرائض ادا کرنے کا مضبوط اور مستحکم عہد باندھ لیں۔ خدا کی رحمت نیک بندوں کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا رحم ضعیفوں اور خدا پر بھروسا رکھنے والوں کی مدد کرتا ہے۔

اے زندہ و قدّوس خدا۔ اے ارحم الراحمین۔ اے شہنشاہ رب، ربُّ العالمین ہمارے گناہوں سے درگذر فرما اور ہمارے ضعف و ناتوانی پر رحم کر اعمال صالحہ کی توفیق دے۔ اور اپنے دین کی خدمت کے لیے ہمارے دل مضبوط کر دے۔ ہماری کلائیوں میں طاقت عنایت فرما۔ ہمارے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کر۔ حق کو فتح اور باطل کو شکست دے آمین یا ارحم الراحمین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین [1]

---

[1] مدینہ۔ ۵، ۹ دسمبر ۱۹۲۰ء۔ بہ حوالہ تذکرۂ شیخ الہند۔ اگرچہ تذکرۂ شیخ الہند میں شروع کا خطبہ مسنونہ اور خاتمے کا سلام محفوظ نہ تھا۔ اس کی تکمیل میں خطبات شیخ الہند سے مدد لی گئی ہے

ہیں مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں ان پر تمہارا اختیار نہیں اس لیے لازم ہے کہ حدودِ مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے میں احسان کرو اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے ملک میں تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے۔

جماعتِ علما جو حقیقتۂ مسلمان کے مذہبی قائد ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں۔ آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصد کو خراب نہ کریں ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوگی علمی تدقیقات کے لیے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں عبادت اور ریاضت کے لیے بہت سی راتیں بلاشرکتِ غیرے آپ کو حاصل ہیں مگر جو کام کہ جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی جیسی مقدس جگہ مناسب نہ تھا۔

آج احتجاج اور مطالبۂ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں کہ اگر موجودہ زمانے میں توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعدا کے لیے جہاد ہو سکتا ہے باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں کبھی تامل نہ ہوگا۔ کیوں کہ موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کے لیے کہ جن کے ہاتھ میں توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز نہیں یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔

معزز حاضرین! برطانیہ کا یہ دعویٰ کہ وہ کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتی۔ آپ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے مذہبی امور میں آزادی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ کیا سلطنت کا زبردست پنجہ ان کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر وقت تیار نہیں۔ آج مولوی ظفر علی خاں اور مولوی ثناء اللہ صوفی اقبال احمد، مولوی محمد فاخر اور اسی طرح دوسرے فرزندان ہند کس جرم میں قید خانوں میں بند ہیں۔ کیا انھوں نے مذہبی احکام کی تبلیغ کے سوا اور کوئی گناہ کیا تھا؟ کیا مسلمانوں کے مذہبی احکام کے فتوے ضبط نہیں ہوئے کیا مسلمانوں کی ہزاروں خواتین اپنے نکاح و طلاق کے مقدمات میں غیر مسلم عدالتوں کے سامنے جا کر اسلامی

آخری بیان

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ ۔ امابعد!

حضرات علماء کرام حضار جلسہ! میں اولاً جمعیت کی تمام کارروائیوں کے باحسن اسلوب انجام پاتے پر خدائے قادر و توانا کا شکر ادا کرتا ہوں ۔ اور ثانیاً یہ عرض ہے اگرچہ میں ناقابل انکار عذر کی وجہ سے آپ کے جلسوں کی شرکت سے بظاہر محروم رہا لیکن آپ یقین کیجیے کہ میرا دل آپ کے مجمع سے بہت کم غائب ہوا ہے اور مجھے یہ معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی کہ جسم قوم کی روح (جماعت علما) نے بعض ان شعب سیاسیہ میں پھر ایک مرتبہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا ہے جن میں وہ بالکل مردہ سمجھی جاتی تھی ۔ اور جن میں اگر وہ مردہ ثابت ہوتی تو اسلامی عزت و وقار کا بالکل ہی خاتمہ تھا ۔ آپ رنجیدہ نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم وتدین اگر اب بھی عالم اسلامی کے خوفناک مصائب سے آنکھ بند رکھنے کی اجازت دیتا تو آج دنیا ہماری عزت ایمانی اور شرافت انسانی دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی ۔

اور اب بھی اگر ہم تجاویز پاس کر کے اور صرف چند ساعت کی گرمی محفل کو اپنی تمام تقریروں اور خطبوں کا ماحصل سمجھ کر منتشر ہو گئے تو ہماری مثال ٹھیک اس مریض کی سی ہوگی جو اکسیرِ شفا کی تکرار زبان سے بار بار کرتا ہے لیکن اس کا استعمال ایک دفعہ بھی نہ کرے ۔

میں اس وقت آپ سے رخصت ہو رہا ہوں اور جو کچھ مجھے کہنا تھا خطبۂ صدارت میں

حضرت شیخ الہند کا یہ آخری تحریری بیان ہے جو جمعیت علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی کے اختتامی اجلاس میں پڑھ کر سنایا گیا تھا ۔ اس کے بعد حیاتِ مستعار کے بقیہ چند دنوں میں جو دہلی ہی میں بسر ہوئے تھے حضرت نے کسی قسم کا کوئی سیاسی یا غیر سیاسی بیان نہیں دیا ۔

کہہ چکا ہوں اور مبسوط۔ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے آپ کو آج ہی کے اجلاس میں سنایا ہے۔ اس کے ضمن میں بھی میرے مقاصد اور محسوسات نہایت خوبی سے ادا ہو گئے ہیں اور حضرات علمائے امتدّ بنین نے بحث و تمحیص کے بعد جو امور طے کیے ہیں ان سے یہ بندۂ ضعیف عملاً علیحدہ نہیں ہے۔ اس لیے اب مجھ کو اس سے زائد کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سب مل کر متوکلاً علی اللہ ان طے شدہ تجاویز پر عمل کرنا اور عمل کرانا شروع کر دیں۔ جن سے ہمارے ایمان، ہمارے کعبہ، ہماری خلافت، ہماری عزت و آبرو اور ہمارے مقاماتِ مقدسہ اور ہمارے وطنی اور قومی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت بھی ہم نے غفلت اور تن آسانی اختیار کی تو شاید عاقبت حاصل کرنے کا یہ آخری موقع ہوگا جس کو جان بوجھ کر ہم ہاتھ سے کھوئیں گے۔ جو صراط مستقیم آپ نے معلوم کر لیا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس پر سیدھے چلے جایئے اور یمین و شمال کی طرف مطلق التفات نہ کیجیے۔

اَنَّ ھٰذا صِرَاطِی مُسْتَقِیمًا فَاتَّبِعُوْہُ	میرے اس سیدھے راستے کی اتباع کرو
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ	اور راستہ سے نہ ہٹو تاکہ تم سیدھی راہ
عَنْ سَبِیْلِہٖ۔ (الانعام، ۱۵۴)	سے بھٹک نہ جاؤ۔

جو لوگ اس وقت آپ سے علیحدہ ہیں ان کو بھی حکمت اور موعظت حسنہ سے اپنی جماعت کے اندر جذب کیجیے اگر اس میں مجادلہ کی نوبت آئے تو بِالَّتِی ہِیَ اَحْسَنُ ہونا چاہیے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر تعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ناممکن بنا دے گی اور دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا۔ اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ ہماری بد اعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی

طاقت ور حریف اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے گی۔

ہاں! میں پہلے یہ کہہ چکا ہوں آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت و آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائیدار رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کر لیجیے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی حدود میں اس سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی ایک فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لیے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں لیکن محکموں اور ابواب معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔

میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ میری گذارش دونوں قوموں کے زعما لیڈروں سے ہے کہ ان کے جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی کثرت اور رزولیشنوں کی زبانی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیے یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ دل آزاریوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔

اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے لیے مہلک نہیں البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورے کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔

اب آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ ہم کو اور آپ کو نیکی اور سمجھ دے اور ہمارے دلوں کو سید دعا کرنے کے بعد کج نہ کرے اور ہماری وجہ سے ہمارے مذہب پر دوسروں کو تضحیک کا موقع نہ دے اور ہم کو ہر ایک آسان اور کٹھن منزل میں صبر و استقلال کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور اس وقت کے حالات سے بہتر حالات میں پھر ہم کو جمع کرے آمین یا رب العلمین [1]

[1] مدینہ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۰ء۔ بہ حوالہ تذکرۂ شیخ الہند از مولانا مفتی عزیز الرحمن مطبوعہ بجنور

چند مکتوب الیہ

مولانا اشرف علی تھانوی:

دیوبند کے مشہور عالم دین شیخ طریقت اور مصنف ۔ ستمبر ۱۸۶۴ء کو تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ۲ جولائی ۱۹۴۳ء کی شب کو وطن مالوف میں انتقال فرمایا۔ حضرت شیخ الہند کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت کے تین مکتوبات سامی آپ کے نام اس مجموعے میں شامل ہیں۔

مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندی:

حضرت سید محمد حسن کے نامور بیٹے تھے۔ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے مشہور مدرس و مصنف اور حضرت شیخ الہند کے مخلص اور قابل اعتماد شاگرد تھے۔ حیات شیخ الہند، کلیات شیخ الہند، حیات خضر وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ ۲۳ محرم ۱۳۶۴ھ بروز پیر (مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۵ء) کو وفات پائی۔ حضرت کا ایک مکتوب آپ کے نام یادگار اور اس مجموعے میں شامل ہے۔

نواب رشید الدین خاں:

نواب محی الدین خاں کے بیٹے تھے جو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد اور حضرت شیخ الہند کے شریک درس اور خواجہ تاش تھے۔ وطن مراد آباد (یوپی) تھا اور بھوپال میں قاضی ریاست تھے۔ نواب رشید الدین خاں کے دادا نواب ضیر علی خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور ان کے دادا نواب حاجی رفیع الدین خاں حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور اپنے وقت کے مشہور عالم اور مصنف تھے۔

حضرت شیخ الہند کو یہ خاندان اور اس کے اصاغر و اکابر بہت عزیز تھے۔ نواب قاضی محی الدین خاں حضرت شیخ الہند کے مخلص و معتمد تھے۔ ریشمی رومال سازش کیس کی ڈائرکٹری میں ان کا نام آیا ہے ان کے بیٹے نواب رشید الدین خاں تھے۔ حضرت کا ایک خط ان کے نام یادگار اور شامل مجموعۂ ہذا ہے۔

حافظ زاہد حسین:

وطن و مولد امروہہ (ضلع مراد آباد) کا مردم خیز قصبہ تھا۔۔۔ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء)

میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) میں انتقال فرمایا۔ حضرت شیخ الہند کے نہایت مخلص و عاشق صادق تھے۔ ان کے نام حضرت کا ایک خط اس مجموعے کی زینت ہے۔

علامہ شبلی نعمانی:

مشہور مورخ اور ادیب و شاعر محمد شبلی نام اور نعمانی لقب تھا۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ اعظم گڑھ، لاہور اور سہارنپور میں تعلیم کے مراحل طے ہوئے۔ سرسید کی حیات میں علی گڑھ میں استاد رہے پھر حیدرآباد دکن میں سررشتہ علوم و فنون کے ناظم ہو گئے۔ ندوۃ العلماء لکھنو کے بانیوں میں تھے۔ مدت تک اس کے معتمد رہے۔

مذہب، تاریخ، ادب، تنقید اور زندکار و سوانح میں متعدد اہم تصانیف یادگار ہیں ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال ہوا۔ علامہ مرحوم نے تنظیم مدارس اسلامیۂ عربیہ کے سلسلے میں حضرت شیخ الہند کو خط لکھا تھا اس کا جواب اس مجموعے میں شامل ہے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی:

مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی کے بیٹے تھے۔ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں بہ مقام لکھنو پیدا ہوئے۔ فرنگی محل کے علمائے متاخرین میں وہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۸۴۸ء-۱۸۸۶ء) کے بعد سب سے نمایاں شخصیت تھے۔

لکھنو میں اپنے والد، مولانا عبدالحی، مولانا عین القضاۃ سے تحصیل علمی کے علاوہ عراق و شام اور حجاز کے علما کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ دین اور سیاسیات کے مجمع البحرین اور نہایت مخلص دیے ریا شخص تھے۔ خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند کے بانیوں میں تھے۔ انجمن خدام کعبہ کا قیام، تصور سے عمل تک آپ ہی کے ذوق ملی کی کارفرمائی تھی۔ تحریک خلافت کے صف اول کے رہنماؤں میں تھے۔

مختلف علوم و فنون اسلامی میں اسّی سے زیادہ تصانیف یادگار ہیں۔ ۲۰ر جنوری ۱۹۲۶ء کو لکھنو میں انتقال ہوا۔ انجمن خدام کعبہ کے بارے میں آپ کے نام حضرت شیخ الہند کا ایک خط یادگار ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری:

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مشہور عالم دین اور عارف باللہ۔ والد ماجد کا نام

راؤ اشرف علی خاں تھا۔ موضع نگری (ضلع انبالہ) میں پیدا ہوئے۔ رائے پور (ضلع سہارنپور) کو وطن بنا لیا تھا۔ نگری اور سہارن پور میں تحصیل علمی کے مراحل طے کیے۔ حضرت شیخ الہند کے ہم خیال اور تحریک شیخ الہند کی ایک اہم شخصیت تھے۔ ریشمی رومال تحریک میں آپ کا نام نامی بھی آیا ہے۔ تحریک تبلیغ و اصلاح مسلمین میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ۲۹ر جنوری ۱۹۱۹ء کی شب میں اس دار ِفانی سے رحلت فرمائی۔ رائے پور میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے نام حضرت شیخ الہند کا ایک اہم خط اس مجموعے کی زینت ہے۔

مولانا حکیم عبدالرشید عرف ننھو میاں:

ننھو میاں کے نام حضرت شیخ الہند کا ایک خط یادگار ہے۔ مقام محمود میں انھیں حضرت گنگوہی رح کا نبیرہ لکھا گیا ہے۔ تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی کے باقیات الصالحات میں مجھے یہ نام نہیں ملا۔ ممکن ہے تذکرہ کے کسی اور مقام پر ہو اور نظر چوک گئی ہو۔

مولانا حاجی محمد احمد:

محمد احمد نام اور بزرگ لقب تھا۔ گجرات کے مقام سملیک کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۹۸ھ یا ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور وسطی کتب کی تحصیل وطن میں کی۔ ۱۳۱۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت گنگوہی رح سے بیعت تھے۔ اپنے وطن کے علاوہ جنوبی افریقہ اور رنگون میں درس و افتاء اور وعظ و تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) کے مہتمم بنائے گئے۔ علمی قابلیت کے علاوہ انتظامی صلاحیتیں بھی تھیں۔ ۵ر ربیع الاول ۱۳۷۱ھ (مطابق ۴ر دسمبر) کو اس جہاں فانی سے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور بڑے مخلص بزرگ تھے اور ایسے شرف کے حامل کہ حضرت کے چھ مکتوبات گرامی آپ کے نام یادگار ہیں جو اس مجموعے میں باعث زینت ہیں۔

مولانا حکیم محمد حسن:

حضرت شیخ الہند چار بھائی تھے۔ حکیم محمد حسن حضرت سے چھوٹے تھے اور دیگر ان

سے چھوٹے تھے۔ حکیم صاحب نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے حدیث پڑھی تھی، حکیم عبد المجید دہلوی سے طب کی تکمیل کی تھی اور حضرت شیخ الہند سے مختلف علوم میں استفادہ کیا تھا۔ ایک عرصے تک دارالعلوم میں عربی کے مدرس اور طبیب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۲۶ء) کو دیوبند میں انتقال ہوا۔ حکیم صاحب کے نام حضرت کے دو مکتوب اس مجموعے میں شامل ہیں۔

مولوی محمد حنیف:

حضرت شیخ الہند کے بڑے بھانجے اور حضرت کے داماد تھے۔ حضرت کی بڑی صاحبزادی ام ہانی انھی سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ شادی کے بعد حضرت نے انھیں اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔ مولوی صاحب نے بھی حضرت کی بہت خدمت کی تھی۔

مولوی محمد رفیع:

حضرت شیخ الہند کی دوسری صاحبزادی میمونہ کے بیٹے تھے۔ میمونہ حضرت کے چچازاد بھائی کے بیٹے مولوی حافظ محمد شفیع سے بیاہی گئی تھیں۔ حافظ صاحب مدرسہ اسلامیہ عبد الرب، دہلی میں مدرس تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ محمد رفیع کو پیار سے بھولا کہتے تھے۔ محمد رفیع حضرت کے ایک مکتوب میں محمد عثمان کے شریک مکتوب الیہ ہیں۔

مولوی محمد عثمان:

محمد عثمان، مولوی محمد حنیف کے بیٹے اور حضرت کے نواسے تھے۔ مالٹا سے حضرت کے ایک مکتوب میں مولوی محمد رفیع کے شریک مکتوب الیہ ہیں۔

منتظمین دارالعلوم دیوبند:

منتظمین دارالعلوم سے مراد صدر مہتمم حافظ محمد احمد اور نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ہیں۔

۱۔ حافظ محمد احمد:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بیٹے تھے۔ ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۳ء میں بہ مقام نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے۔ سہارن پور، بلند شہر، مراد آباد میں وقت کے اکابر علما سے تحصیل علم کی۔ حضرت مولانا نانوتوی کے علاوہ حضرت شیخ الہند سے بھی نسبت تلمذ

…UR… LIB… Acc No

رکھتے تھے۔

۱۸۸۶ء میں بہ حیثیت مدرس دارالعلوم عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم کے مہتمم بنائے گئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے خلاف مولانا شبیر احمد عثمانی کو آمادہ پیکار کرنے اور ان پر کفر کا فتویٰ لگوانے میں آپ ہی کا دستِ کرم پوشیدہ تھا۔ حضرت شیخ الہند کے لیے آپ متعدد مصائب اور تکالیف کا باعث ہوئے۔ حضرت کے خلاف سہارن پور کے کلکٹر کی معرفت گورنمنٹ کو آپ کی رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں۔ ریشمی خطوط سازش کیس کی ڈائرکٹری میں انھیں انگریزی حکام نے اپنا آدمی بتایا ہے۔ برٹش حکومت کی خدمات کے صلے میں انھیں شمس العلما کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔

حیدرآباد دکن میں عدالت العالیہ کے عہدۂ مفتی پر فائز ہو گئے تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء کو حیدرآباد ہی میں سپردِ خاک کیے گئے۔ حضرت شیخ الہند کے زمانے میں دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے۔

۲۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی:

مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھائی اور مولانا فضل الرحمٰن کے بیٹے تھے۔ تعلیم شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ وہیں مدرس ہوئے پھر نائب مہتمم بنائے گئے اور حافظ محمد احمد کے بعد صدر مہتمم ہوئے۔

عربی زبان و ادب کے بڑے عالم تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ ۴ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۲۹ء کو دیوبند میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔

حافظ محمد احمد کے نہ صرف نائب بلکہ ہم خیال و ہم مسلک تھے۔ ریشمی رومال سازش کیس کی ڈائرکٹری میں حکام نے انھیں بھی حکومت کے وفاداروں میں شمار کیا ہے۔

منتظمین دارالعلوم دیوبند سے مراد یہی دونوں بزرگ ہیں جو حضرت شیخ الہند کو انگریزوں کے قدموں پر جھکانا اور حضرت سے معافی منگوانا چاہتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عکس تحریر حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ

بشکریہ حضرت مولانا حکیم عبدالرشید صاحب عارف نتھو میاں نبیرہ حضرت گنگوہیؒ

Nicht zwischen die Zeilen schreiben!

[illegible]